U15729 . 23-1-10

Title - ISLAMI NIZAM-E-HAYAAT.

Creator - Munawwar Hasan Khan, Muattiba

Publisher - Muslim University Institute (Aligarh

Date - Matba National Printers Co. (Aligarh

Pages - 55.

Subject -

اسلامی نظامِ حیات

مرتبہ

منور حسن خاں

آنریری سکریٹری مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین

زیر اہتمام

مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین علی گڑھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تعارف مقصد

خداوند عز و جل کا ہم لوگ کس طور پر شکریہ ادا کریں کہ اس نے اس سال ہم نا اہلوں کے قلب میں وہ بات ڈال دی جسے حقیقتاً ہمیں بہت پہلے کرنی چاہیئے تھی۔ اس سال یونین کی تاریخ میں پہلی مرتبہ یونین ایگزیکیوٹیو نے طے کیا کہ اسلام پر ایک سلسلہ تقاریر منعقد ہو۔ سلسلہ تقاریر محض اسلام کی عام معلومات ہی کے لئے نہیں بلکہ اس طرح ترتیب دی جائیں کہ اسلام کا پورا نظام حیات چند عنوانات میں سمٹ آئے۔ چنانچہ اسلام کے سیاسی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور روحانی نقطۂ نظر پر مقالے پڑھنے کے لئے ان اصحاب فکر و نظر کی تلاش دامنگیر ہوئی جو ایک طرف تو دینی بصیرت رکھتے ہوں اور دوسری طرف دنیاوی تقاضوں سے بھی باخبر ہوں۔ ظاہر ہے اس قسم کی ہستیوں کا ملنا کوئی معمولی بات نہ تھی اس لئے کہ ایک طرف تو ایسے افراد بہت سے نظر آتے جن کی ذہانت مسلم ہے اور جو دنیاوی تقاضوں سے بھی واقف ہیں لیکن افسوس اس کا ہے کہ ان تقاضوں کو پورا کرنے کا یا حل کرنے کا طریقہ ان کے پاس وہی ہے، جسے مغربی مفکرین نے پیش کیا ہے۔ اور چونکہ اس سے ہم

انھیں رجعت پسندوں کی صف میں لا کھڑا کرتا ہے۔ اس لیے نام نہاد ترقی پسند بننے کے لئے مغرب کی نقالی کو اپنا شیوہ بنالیا ہے اور زندگی کے مسائل پر مادی نقطۂ نظر ہی سے نگاہ ڈالتے ہیں۔ دوسری طرف ہمیں وہ لوگ نظر آئے جنھیں اسلام کا پورا پورا علم ہے لیکن وہ موجودہ دور کے تقاضوں سے بالکل نا آشنا ہیں انھیں یہ بھی پتہ نہیں ہے کہ جس اسلام کی وہ دوسروں کو تلقین کرتے ہیں وہ آج کی پریشانیوں کو کیسے حل کر سکتا ہے اور آیا وہ آج کے مسائل کا حل ہے بھی یا نہیں۔ چنانچہ ہمیں ان حضرات کو بھی نظر انداز کرنا پڑا۔ ان دو گروہوں کو نظر انداز کر دینے کے بعد ہمارے سامنے ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسے حضرات کی رہ گئی جنھیں ہم اپنے مقصد کے لئے استعمال کرتے۔ اس سلسلہ میں مولانا جناب عبدالسلام صاحب ندوی، جناب احمد سورتی صاحب اور جناب سید انور علی صاحب نے میری بڑی رہنمائی کی۔ ملک کے چند چیدہ حضرات کے اسمائے گرامی کی فہرست مرتب کی گئی اور ان سے خط و کتابت شروع ہوئی۔ بعض حضرات کی مصروفیات نے انھیں شرکت سے مانع رکھا اور ان حضرات کی عدم شرکت کا یونین کو بڑا افسوس رہا۔ البتہ ہمیں خوشی ہے کہ چند بزرگوں نے ہماری دعوت کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول فرمایا اور شرکت کی۔ جناب قاری محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم اسلامیہ دیوبند نے اسلام کے روحانی نظام پر ڈیڑھ گھنٹے کی ایک مدلل تقریر فرمائی لیکن بدقسمتی سے وہ تحریری شکل میں نہ آسکی اور یہ مجموعہ اس کی زینت سے محروم رہا۔ جناب مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ العلماء ہند نے "قرآن اور تعمیر انسانیت" کے عنوان پر ایک طویل اور نہایت ہی مدلل مقالہ پڑھا۔ جناب ڈاکٹر یوسف الدین صاحب ریڈر شعبہ مذہب و ثقافت

عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کا میں تہہ دل سے مشکور ہوں کہ وہ اتنی دور سے شرکت کے لئے تشریف لائے۔ آپ نے اسلامی نظامِ معیشت پر ایک اہم مقالہ پڑھا اس کے علاوہ مولانا عبدالقیوم صاحب نے اسلام کے سیاسی نظام پر ایک طویل تقریر کی جس میں اسلامی نظامِ سیاست کے ہر پہلو کو نہایت تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا تھا لیکن ان کی خرابی صحت کی بناء پر اُن سے فرمائش مقالہ نہ کیا جا سکا چنانچہ وہ بھی اس میں شامل نہیں ہے۔

اس سلسلۂ تقاریر کے منعقد کرنے میں ہم لوگوں کے پیش نظر دو اہم مقاصد تھے :۔

اول یہ کہ مذہب جو ہمیشہ محبت اور بھائی چارگی کا سبق دیتا ہے۔ اُسے مغربی متفکرین نے جنگ کے ہم معنیٰ قرار دے دیا ہے اور خاص طور سے اسلام کے متعلق بہت سی غلط فہمیاں لوگوں کے اندر پھیلا دی ہیں حالانکہ اسلام ہی وہ نظامِ حیات ہے جس میں انسانوں کو امن و سکون نصیب ہو سکتا ہے۔ پھر یہ کسی ایک قوم، وطن اور نسل کی میراث اور جاگیر نہیں ہے بلکہ جو بھی اسے اپنائے اُسی کا ہے اس لئے کہ اصولوں پر کسی کا تصرف نہیں ہوتا مگر افسوس ہے کہ یہ بات دوسروں کے سامنے کھل کر نہ آسکی۔ خود ہندوستان میں جہاں مسلمانوں کو غیر مسلم بھائیوں کے ساتھ رہتے ہوئے صدیاں گذر گئی ہیں ان کے دلوں میں بھی وہ شبہات اور غلط فہمیاں ابتک موجود ہیں جن کا اسلام سے دامن باندھنا نری حماقت کے سوا کچھ بھی نہیں۔ اس لئے یہ ضروری سمجھا گیا کہ ان غلط فہمیوں کو دور کر کے تمام انسانوں کو بلا امتیاز رنگ و نسل اور ملک و ملت اس بات پر آمادہ کیا جائے کہ وہ اسلام کے اصولوں کو پرکھیں اور اگر ان کی عقل یہ فیصلہ دے کہ یہی اصول ان کی زندگی کو سکون سے ہمکنار کر سکتے ہیں تو

پھر لوگوں کو چاہیئے کہ وہ حتی الوسع اس نظام زندگی پر لوگوں کو مطمئن کریں اور خود ہندوستان کی نفرت آمیز فضا کو خلوص و محبت سے بھر دیں۔ چونکہ اس یونیورسٹی میں یونین ہی ایسا پلیٹ فارم ہے جس پر ہر خیال کے طلبا کو جن پر ہندوستان کے مستقبل کا انحصار ہے جمع کیا جا سکتا ہے اس لئے یونین کے پلیٹ فارم سے اس خواہش کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ اس قسم کے سلسلہ تقاریر کی ضرورت اس وجہ سے اور بھی تھی کہ یہ ادارہ ماضی میں ایک فرقہ پرستانہ نظریہ کا حامل سمجھا گیا تھا جس کے نتیجہ میں لوگوں کو اس یونیورسٹی سے ایک خاص قسم کا بغض و عناد پیدا ہو گیا تھا اور چونکہ اس نظریہ کا دامن اسلام سے خواہ مخواہ باندھا گیا تھا اس لئے خود اسلام کے اصولوں سے بیزاری کے تاثرات پیدا ہونے لگے اس لئے وقت کی اہم پکار اور یونیورسٹی کے مفاد کا تقاضا یہ تھا کہ اسی یونیورسٹی سے ان لوگوں کی اس غلط فہمی کو کہ مسلمانوں کا مذہب ان کو نفرت سکھاتا ہے دور کیا جائے اور اسلام کے وہ بنیادی اصول پیش کئے جائیں جن پر اگر عمل کیا جائے تو ہندوستان کی بہتر تعمیر ہو سکتی ہے۔

دوسری اہم ضرورت اس سلسلہ تقاریر کی یہ تھی کہ مسلم طلباء جو بلاشبہ مسلمان رہنا چاہتے ہیں ان کے ذہن و ضمیر کو ذرا جھنجوڑا جائے اور انھیں یہ باور کرایا جائے کہ مسلم ہونا ذمہ داریوں کے ایک عظیم بوجھ اٹھانے کے مترادف ہے۔ مسلم ہونے کے لئے صرف کسی مسلم خاندان میں پیدا ہونا کافی نہیں ہے بلکہ اس کے لئے علم کی ازحد ضرورت ہے۔ جب تک اسلام کا علم نہ ہوگا اس وقت تک نہ تو آپ کے دل میں عالمگیر جذبات اٹھ سکتے ہیں اور نہ انسانوں کو پریشانیوں سے نجات دلانے کے لئے اپنے دنیاوی مفادات کی قربانی کا جذبہ اُبھر سکتا ہے اور نہ ہی آج

الحادی نظریوں کا قلع قمع کیا جا سکتا ہے اور جب تک یہ نہ ہوگا ذلت و محکومی سے رہائی ناممکن ہے لیکن اگر اسلام کے اصولوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر اس پہ عمل کیا جائے تو موجودہ دور کے ایک عظیم مفکر کی یہ باتیں مستقبل سے پُر امید کرنے کے لئے کافی ہیں۔

"اگر آپ اس کی (اسلام کے اصولوں کی) صحیح پیروی کریں اور اپنے قول و عمل سے اس کی سچی شہادت دیں اور آپ کے اجتماعی کردار میں پورے اسلام کا ٹھیک ٹھیک مظاہرہ ہونے لگے تو آپ دنیا میں سربلند اور آخرت میں سرخرو ہو کر رہیں گے، خوف اور حزن، ذلت اور مسکنت، مغلوبی اور محکومی کے یہ سیاہ بادل جو آپ پر چھائے ہوئے ہیں چند سال کے اندر چھٹ جائیں گے۔ آپ کی دعوتِ حق اور سیرتِ صالحہ دلوں کو اور دماغوں کو مسخر کرتی چلی جائیگی آپ کی ساکھ اور دھاک دنیا پر بیٹھتی چلی جائے گی، انصاف کی امیدیں آپ سے وابستہ کی جائیں گی، بھروسہ آپ کی امانت اور دیانت پر کیا جائے گا، سند آپ کے قول کی لائی جائے گی بھلائی کی توقعات آپ سے باندھی جائیں گی۔ ائمہ کفر کی کوئی ساکھ آپ کے مقابلہ میں باقی نہ رہ جائے گی۔ ان کے تمام فلسفے اور سیاسی و معاشی نظریئے، آپ کی سچائی اور راست روی کے مقابلہ میں جھوٹے ملمع ثابت ہوں گے اور وہ طاقتیں جو آج ان کے کیمپ میں نظر آرہی ہیں ٹوٹ ٹوٹ کر اسلام کے کیمپ میں آتی چلی جائیں گی، حتیٰ کہ ایک وقت وہ آئیگا جب کمیونزم خود ماسکو میں اپنے بچاؤ کے لئے پریشان ہوگا، سرمایہ دارانہ ڈیموکریسی خود واشنگٹن اور نیویارک میں اپنے تحفظ کے لئے لرزہ براندام ہوگی

مادہ پرستانہ الحاد خود لندن اور پیرس کی یونیورسٹیوں میں جگہ پانے سے عاجز ہوگا، نسل پرستی اور قوم پرستی خود برہمنوں اور جرمنوں میں اپنے معتقد نہ پا سکے گی اور یہ دور صرف تاریخ میں ایک داستانِ عبرت کی حیثیت سے باقی رہ جائے گا کہ اسلام جیسی عالمگیر و جہاں کشا طاقت کے نام لیوا کبھی اتنے بیوقوف ہوگئے تھے کہ عصائے موسیٰ بغل میں تھا اور لاٹھیوں اور رسیوں کو دیکھ دیکھ کر کانپ رہے تھے۔

اور یہ حقیقت ہے کہ جو لوگ مذہب کو ایک پرائیویٹ مسئلہ سمجھ کر باقی رکھتے ہیں یا باقی رکھنا چاہتے ہیں وہ یا تو خود دھوکہ میں مبتلا ہیں یا دوسروں کو دھوکا دینا چاہتے ہیں اس لئے کہ اگر مذہب ہماری زندگی کے اجتماعی مسائل میں رہنمائی نہیں کرتا تو پھر اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اسے پرائیویٹ مسئلہ کی حیثیت سے باقی رکھا جائے۔ اس لئے تمام مذہب کے ماننے والوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ پہلے مذہب کا علم حاصل کریں اور پھر زندگی کے تمام مسائل کا حل پیش کریں تاکہ امن و سکون کی پیاسی انسانیت کے لئے وہ آبِ حیات مل جائے جس سے سکون نصیب ہو۔

اس قسم کے سلسلۂ تقاریر کا انعقاد اور اس نوعیت کے افراد کا انتخاب ہمارے لئے اپنی نوعیت کے لحاظ سے پہلا تجربہ تھا اگرچہ ہم اپنی خواہش کے مطابق اسے نہ بنا سکے لیکن خدا کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں امید سے زیادہ کامیابی عطا کی یہاں دلوں میں اس قسم کے سلسلۂ تقاریر کی ضرورت کا احساس پیدا ہوا۔ یونین میں زندگی کی

ایک صالح لہر دوڑی اور لوگوں کو اس امر کا پوری طرح یقین ہو گیا کہ یونین کے پروگرام کے کچھ ٹھوس اور تعمیری پہلو بھی ہیں۔ میری دلی دعا ہے کہ ہمارے بعد جو لوگ اس ذمہ داری کا بار اٹھائیں قدرت انھیں اتنی سکت دے کہ وہ آئندہ اس قسم کے سلسلہ تقاریر کو اور اعلیٰ پیمانہ پر منعقد کر سکیں تاکہ ایک دوسرے کے قریب آنے میں مدد ملے۔

ہمیں اس کمی کا شدت کے ساتھ احساس ہے کہ اس سلسلہ کے تمام مقالے آپ حضرات کے سامنے پیش نہیں کئے جا سکتے لیکن پھر بھی جس حد تک ممکن ہو سکا ہے آپ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے۔ امید ہے آپ حضرات ہم طلبا کی اس ناچیز کوشش کو بہ نظر استحسان دیکھیں گے۔

میں جناب مولانا عبدالسلام صاحب جامعہ ملیہ، جناب احمد سعید ذکی صاحب لکچرر کیمسٹری ڈپارٹمنٹ اور جناب سید انور علی صاحب متعلم ایم۔ ایس سی کا بہت ہی مشکور ہوں جن کے مشوروں اور عملی کوششوں سے یہ تحریک عملی شکل اختیار کر سکی۔ میں تمام اراکین کابینۂ یونین کے اسٹاف اور خصوصاً مسٹر شان حیدر صاحب آفس انچارج یونین کا بھی تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں جن کی انتھک محنت سے یہ کام بخوبی انجام پا سکا۔ چھپائی کے سلسلہ میں جناب قاضی جمال الدین صاحب ممبر کابینہ اور جناب شمیم احمد صاحب متعلم بی۔ ایس سی کا بہت ممنون ہوں کہ انھوں نے پروف وغیرہ دیکھنے کے کام میں میری بڑی مدد کی۔

میں جناب شفیع صاحب ٹریژرر یونین کا بھی بے حد مشکور ہوں جنھوں نے قدم قدم پر میری حوصلہ افزائی فرمائی۔

ہیں سخت بدخواہ ہوں گا اگر میں اس تلخ حقیقت کا اظہار نہ کردوں جو میرے سینے میں رہ رہ کر کروٹ بدل رہی ہے۔ یعنی ہماری یونیورسٹی میں ایسے مسلم اساتذہ کی کمی نہیں جن کے پاس امریکہ اور لندن کی ڈگریاں ہیں اور اپنے مضمون میں وہ اپنا ایک مقام بھی رکھتے ہیں لیکن افسوس یہ ہے کہ زندگی کے مسائل کو اسلام کے نقطۂ نظر سے حل کرنے کے سلسلہ میں وہ بھی طلباء کے مقام سے کچھ زیادہ بلند نہیں ہیں ورنہ ظاہر ہے کہ جس قسم کے افراد کی ہمیں ضرورت تھی ان کے لئے ہمیں کہیں باہر تلاش کرنے کی ضرورت نہ ہوتی اور یہ حقیقت ہے کہ اگر ہمارے اساتذہ کرام اس نقطۂ نظر سے اسلام کا مطالعہ کریں تو وہ عام علماء سے کہیں بہتر ثابت ہو سکتے ہیں اور مغربی مفکرین کے علی الرغم دنیا کو وہ طریق کار دے سکتے ہیں جس پر امن و سکون کے ساتھ پوری دنیا کو رواں دواں چلایا جا سکتا ہے۔

کاش! ہمارے اساتذہ بھی اس مسئلہ پر غور و فکر کریں اور اپنی ذمہ داریاں محسوس کریں۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ ہندوستان میں ہندو مسلم خلیج کو جلد از جلد ختم کیا جا سکتا ہے۔ محبت اور بھائی چارگی کی فضا پیدا کی جا سکتی ہے اور یقیناً یہ وقت کا وہ اہم تقاضا ہے جس پر ہمارے اساتذہ کو لبیک کہنا چاہیئے۔

خاکسار

(چودھری) منور حسن خاں

بی۔ ایس۔ سی۔ انجینئرنگ (علیگ)

معتمد اعزازی مسلم یونیورسٹی اسٹوڈنٹس یونین علی گڑھ

قرآن حکیم اور تعمیر انسانیت

آدمی قرآنی اخلاقیات کے بغیر انسانیت کی جانب نہیں بڑھ سکتا

از:- حضرت مولانا محمد میاں صاحب ناظم جمعیۃ علماء ہند

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ الحمد للہ وکفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفیٰ!

مسلم یونیورسٹی اسٹوڈینس یونین کے سکریٹری چودھری منور حسن خاں صاحب پھلاودی کا دعوت نامہ پہنچا کہ میں یہاں آکر ایک مقالہ پڑھوں، مقالہ کا موضوع یہ طے کیا گیا۔

"آدمی بغیر قرآنی اخلاقیات کے انسانیت کی
جانب نہیں بڑھ سکتا"

میں نے اپنی اہلیت اور قابلیت کو جانچا۔ میں نے محسوس کیا کہ میری صلاحیت اور میری علمی استعداد اس موضوع کے معیار پر صحیح نہیں اترے گی۔ لہذا میں نے اس انتخاب پر نظر ثانی کی درخواست کی۔ یہ درخواست شرف قبولیت نہیں حاصل کر سکی۔ لامحالہ تعمیل ارشاد کے لئے تیار ہونا پڑا۔ اپنی حقیر استطاعت کے بموجب چند صفحات لکھ کر

پیش کرنے کی جرأت کر رہا ہوں۔ گر قبول افتد زہے عز و شرف۔

———(•)———

انسانی کے لئے مختصر موضوع یہ تجویز کر لیا ہے "قرآن حکیم اور تعمیر انسانیت" موضوع اگرچہ مختصر ہو گیا مگر مفہوم کے دامن اتنے پھیلے ہوئے ہیں کہ چند صفحات میں ان کو سمیٹنا دریا کو کوزہ میں بند کر دینا ہے۔

انسان —— انسانیت —— تعمیر انسانیت اور اخلاقیات قرآن —— یہ الفاظ تو بہت آسان اور مختصر ہیں۔ مگر ہر ایک لفظ غور و فکر کا مستقل موضوع ہے۔ اور ایسا موضوع کہ جلیل القدر علماء مفکرین کی عمریں ختم ہو گئیں مگر غور و خوض کی عمر ختم ہونے میں نہیں آتی۔

دفتر تمام گشت و بپایاں رسید عمر
ما ہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم

انسان کیا ہے؟ بہت آسان سوال ہے۔ ہر شخص اس کا جواب دے سکتا ہے۔ مگر مشکل بھی اتنا کہ دنیا بھر کے فلاسفہ اور اہل علم اس کا صحیح جواب تلاش کرتے رہے مگر آج تک "حقیقت انسان" نہیں پہچان سکے۔

ہماری درس گاہوں۔ کالجوں اور یونیورسٹیوں میں فلسفہ یونان کا سکہ رائج ہے۔ سقراط۔ بقراط۔ ارسطو۔ افلاطون۔ فیثا غورث کے فلسفی نکات علوم مشرقیہ کی درس گاہوں میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ اور علوم مغربیہ کے کالجوں اور یونیورسٹیوں میں بھی ان کو ایک مقام حاصل ہے۔ ان حکماء اور دانشوروں نے بھی حقیقت انسان معلوم کرنے کی کوشش کی اور عام طور پر انھیں کی تحقیق کو حقیقت سمجھ لیا گیا ہے۔

ان ارباب حکمت اور بانیان فلسفہ نے کافی تحقیق کے بعد یہ فیصلہ کیا کہ

"انسان جنسی لحاظ سے ایک حیوان ہے" مگر جس طرح چرند و پرند، دریا میں تیرنے والے اور بلوں میں رینگنے والے جانوروں میں کافی تفاوت ہے ایسے ہی انسان کی خصوصیات اس کو دوسرے حیوانات سے متفاوت اور ممتاز کر دیتی ہیں۔

مثلاً مستقیم القامہ (قد کا سیدھا ہونا) بادی البشرہ (چہرہ اور ظاہری جلد کا بالوں سے پوشیدہ نہ ہونا) ضحک (ہنسنا) وغیرہ ایسی مجموعی صفات ہیں جو انسان کو دوسرے جاندار وں سے ممتاز کر دیتی ہیں۔

جس طرح انسان میں یہ صلاحیت ہے کہ وہ لکھ پڑھ سکتا ہے۔ ایسے ہی یہ صلاحیت کہ قیاس و تخمین یا ریسرچ اور تحقیق و جستجو سے نامعلوم طریقوں کو جان لیتا ہے۔ ایک مخصوص وصف ہے جو انسان کو دوسرے حیوانات سے ممتاز کر دیتا ہے۔

چنانچہ جس طرح فلاسفہ یونان نے دوسرے حیوانات کے امتیاز کے لئے ان کی طبعی صلاحیت کا لحاظ کرتے ہوئے علیحدہ علیحدہ الفاظ مخصوص کر دیئے ہیں۔ مثلاً گھوڑے کو وہ "حیوان صاہل" کہتے ہیں۔ ایسے ہی انسان کے لئے "ناطق" کا لفظ مخصوص کر دیا ہے۔

چنانچہ منطق کے کسی معمولی طالب علم سے بھی آپ دریافت کریں گے کہ — "انسان کیا ہے؟" تو یہی جواب دے گا کہ "حیوان ناطق" یعنی ایسا جاندار جس میں نطق اور ادراک کی قوت پائی جاتی ہے۔

مغرب کے دوسرے فلاسفہ اور ماہرین طبیعات نے اگرچہ حقیقت انسان کے متعلق کچھ کچھ اور نظریئے بھی قائم کئے مگر ان تمام نظریات کا بنیادی نقطہ یہی رہا۔ کہ انسان اپنی حیثیت کے لحاظ سے ایک حیوان ہے۔ یہاں تک کہ مشہور فلسفی

چارلس ڈارون کی تھیوری بھی ہمارے سامنے آتی ہے کہ انسان نے ایک جرثومہ (جرم) سے ترقی کرتے کرتے یہ شکل اختیار کی۔ ممکن ہے طبیعات کے لحاظ سے یہی درست ہو مگر نفسیاتی لحاظ سے اس نظریہ کا اخلاق پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ کیونکہ جب اپنی اصل اور فطرت کے لحاظ سے وہ ایک جانور ہے تو اخلاقی ذمہ داریاں لامحالہ بہت کم ہو جاتی ہیں اور اس کا مطمح نظر تمامتر مادی رہ جاتا ہے۔ یعنی جس طرح تمام جانداروں کا وظیفہ زندگی شکم پری اور عافیت کوشی ہے۔ کھانا، پینا، سونا، رہنے کا انتظام اور افزائش نسل کی صورتیں۔ یہی زندگی کا مقصود ہوتی ہیں ۔۔ انسان بھی اپنی زندگی کا مقصود یہی مادی اغراض قرار دے لیتا ہے ۔۔ اس سے زیادہ اخلاقی ذمہ داریاں گویا اس کی فطرت کے خلاف ایک قسم کا جبر ہوتی ہیں جس کو برداشت کرنے کے لئے وہ تیار نہیں ہوتا۔ پس یورپ کی تمام ترقیوں کی چمک دمک میں اگر جنس روحانیت کمیاب ہی بلکہ نایاب ہے تو اس پر تعجب نہیں کرنا چاہئے۔ کیونکہ جس فلسفہ پر یورپ نے اپنے تہذیب و تمدن کی بنیاد رکھی ہے وہ ان کو مادہ پرستی سے آگے لے جانے کے لئے تیار نہیں۔

لیکن علمائے مشرق کا نظریہ اس بارے میں ہمیشہ بلند رہا ہے۔ ان کا عقیدہ یہ رہا ہے کہ انسان جس حقیقت کا نام ہے وہ حیوانیت کی ترقی یافتہ شکل پر پہنچ کر ختم نہیں ہو جاتی۔ بلکہ حیوانیت صرف ایک قالب ہے۔ وہ جوہر جو اس قالب میں پنہاں ہے۔ جس کی بنا پر انسان کو انسان کہا جاتا ہے جس کی وجہ سے زید زید اور عمر، عمر ہے وہ حیوانیت تو کیا اس مادہ سے بھی بلند ہے جس سے پروین و کہکشاں کی سرشت ہوئی ہے۔ جو مریخ یا عطارد میں پایا جاتا ہے یا جو شمس و قمر کے لئے باعث تنویر بنا ہوا ہے وہ جوہر جو انسان کو انسان بنا تا ہے۔ کیا ہے اس کی حقیقت آج تک اسی طرح نامعلوم ہے جس طرح اس کے پیدا کرنے والے

کی حقیقت غیر معلوم ہے۔

چنانچہ یہ تو ہم آسانی سے تسلیم کر لیتے ہیں کہ زید مثلاً اس وضع قطع، اس ڈیل ڈول یا اس چہرہ اور بشرہ کا نام نہیں۔ کیونکہ وضع قطع بدل جاتی ہے۔ ڈیل ڈول کے بجائے لاغری اور کمزوری آجاتی ہے۔ رنگ بدل جاتا ہے، چہرہ پر جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ مگر زید پھر بھی زید ہی رہتا ہے۔ مگر یہ سوال پھر بھی تشنہ رہجاتا ہے کہ "زید حقیقت کیا ہے — ؟

ویدانت نے ایک چھینٹا دے کر ہماری تشنگی کم کی۔ اس نے بتایا کہ "انسان" خداوندی صفات کا مظہر ہے اور وہ حیوان سے ایک بالکل جدا حقیقت رکھتا ہے لیکن یہ سوال پھر بھی باقی رہ گیا کہ انسان کی حیثیت پوری کائنات میں کیا ہے — ؟ کائنات عالم کے لحاظ سے اس کا کردار کیا ہونا چاہیئے۔ اور خود اپنے ہم جنسوں کے لحاظ سے اس کے فرائض کیا ہونے چاہئیں۔

قرآن حکیم کو یہ خصوصیت حاصل ہے کہ اس نے انسان کی وہ حیثیت اور اس کا وہ مقام معین کیا ہے کہ طائر تخیل بھی اس سے بلند مقام تک پرواز نہیں کر سکتا۔ اور نہ اس سے بہتر کوئی تعبیر ہو سکتی ہے۔ جو قرآن حکیم نے انسان کے لئے اختیار کی ہے۔ قرآن حکیم کے پہلے ہی پارہ میں انسان کی حقیقت پر ان الفاظ میں روشنی ڈالی گئی ہے۔

اذ قال ربك للملئكة
انی جاعل فی الارض
خلیفة

تاریخ کائنات کا وہ دور کس قدر تعجب انگیز اور یادگار ہے جب تیرے رب نے فرشتوں کو خطاب کرتے ہوئے (خبر دی) "میں زمین پر نائب مقرر کر رہا ہوں"

یعنی انسان صرف گوشت و پوست کا مجسمہ اور صرف عناصر اربعہ یا کیمیاوی اجزاء کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ وہ ایک پیکر تقدس ہے جو زمین پر رہ کر خالق ارض و سما کی نیابت

کے عظیم الشان فرائض انجام دے گا۔ وہ نظام کائنات میں ایک ایسا منبع ہے جہاں سے صفات خداوندی کے چشمے ابلیں گے۔ وہ نظام تخلیق کا ایسا آفتاب ہے جس سے تہذیب وتمدن کی کرنیں پھوٹیں گی اور چہرۂ گیتی کو غازۂ نور سے منور کردے گا ——— وہ نظام تعمیر عالم کا ایسا معمار ہے جو خاکدان ارض کو پُررونق اور خرابات دشت وجبل کو گلشن فردوس بنا دے گا۔

اسی لئے اس کو اسرار الٰہوتی اور رموز خداوندی کی وہ امانت سپرد کی گئی ہے جس کے اٹھانے سے نہ صرف پشت زمین کے سربفلک پہاڑ عاجز ہوگئے تھے بلکہ کائنات کا یہ پورا کارخانہ اور اس کا یہ نیلا گنبد جس کو آسمان کہا جاتا ہے۔ اور یہ فرش جس کو کرہ زمین کہا جاتا ہے سب ہی اس کی ذمہ داریوں کے تصور سے حواس باختہ ہوگئے تھے۔ اور لرزتے کانپتے معذرت کرنے پر مجبور ہوگئے تھے کہ خداوندا ہم میں اس بار کو اٹھانے کا یارا نہیں ہے۔

انا عرضنا الامانۃ علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنھا واشفقن منھا وحملھا الانسان

ہم نے پیش کی وہ امانت آسمانوں کے سامنے، زمین اور پہاڑوں کے سامنے ان سب نے انکار کیا اور اس سے خوفزدہ ہوگئے اور برداشت کرلیا اس کو انسان نے

اسی بنا پر زمین وآسمان کی بے انتہا وسعتوں میں جو کچھ قدرت نے بنایا ہے وہ سب اس کے سپرد کردیا۔

سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعاً

اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں اور جو کچھ زمین میں ہے ان سب کو تمہارے لئے مسخر کردیا۔

(جاثیہ)

اس کو حق ہے کہ وہ بطن زمین کو چاک کرلے۔ اور سونے، چاندی، تانبہ، سیسہ، فولاد اور کوئلہ وغیرہ کے وہ خزانے اپنے تصرف میں لے آئے جن کو نیچر کے انجینیر نے پوری ہنرمندی سے زمین کے تہ خانوں میں دفن کر رکھا ہے۔ کیونکہ یہ سب اسی کا ہے۔ خالق نے بلا شرکت غیرے صرف اسی کے لئے پیدا کیا ہے۔ اور اس کو دیا ہے۔

الم تروا ان اللہ سخر لکم ما فی الارض واسبغ علیکم نعمہ ظاہرۃ وباطنۃ

کیا تم دیکھتے نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے زمین کی تمام چیزیں مسخر کردی ہیں اور تم کو اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں پوری پوری بخش دی ہیں۔"

اس کو حق ہے کہ زمین کی طرح وہ سمندر کی چھاتی پر سوار ہو اور اس کی سرکش موجوں کے سر پر جہازوں کے پہاڑ دوڑائے۔

وتری الفلک فیہ مواخر لتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون (فاطر)

تم سمندر میں جہازوں کو دیکھتے ہو جو موجوں کو پھاڑتے ہوئے چلتے ہیں مقصود یہ ہوتا ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی نعمتوں کو حاصل کرو۔ اور اگر نظر حقیقت بیں رکھتے ہو تو اس کے فضل و احسان کا شکر ادا کرو۔"

اس کو حق ہے کہ سمندر کی تہ میں غوطے لگائے اور وہ قیمتی موتی جو ہیرے، سیپ اور صدف کی عاشقانہ داستانوں کا ماحصل ہے۔ اپنی جھولی میں بھر کر جبینِ ناز کی دل آویز شکنوں پر نچھاور کرتا رہے۔

تستخرجون حلیۃ تلبسونہا (فاطر)

سمندر میں سے زیور کی چیزیں نکالتے ہو۔ جن کو پہنتے ہو۔

یخرج منہما اللؤلؤ والمرجان ۝ فبای الاء ربکما تکذبان (رحمٰن)

شیریں اور کھارے دریاؤں میں سے موتی اور مونگا بر آمد ہوتا ہے۔ خدا کی کس کس نعمت کو تم جھٹلاؤ گے۔"

اور اگر کہیں کسی تہ میں اس کو پٹرول کا ذخیرہ مل جائے تو اس کو حق ہے کہ اس کو پائپ کی لائنوں سے روس کے سرخ خطہ میں پہنچا دے۔ یا امریکہ کے کسی پونجی پتی کے حوالہ کر دے۔ کیونکہ یہ سب کچھ اس کا ہے۔

فضا کی یہ تمام وسعت انسان ہی کے لئے ہے وہ شوق سے اس کو اٹمی طاقتوں کی تجربہ گاہ بنائے حضرت سلیمان علیہ السلام کو یہ قدرت عطا کی جا چکی ہے کہ ان کا کوکبۂ شاہی دوش ہوا پر اڑا کرتا تھا۔

وسخرنا له الريح تجري بامره رخاء حيث اصاب۔

ہم نے ہوا کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے تابع کر دیا تھا۔ فرمائش سلیمان علیہ السلام کے بموجب جہاں وہ چاہتے تھے سبک اور تیز رفتار سے چل کر پہنچا دیتی تھی۔"

ان کے ایک مصاحب نے چشم زدن میں "ملکۂ بلقیس" کا تخت سیکڑوں میل کے فاصلہ سے قصر سلیمانی میں پہنچا دیا تھا۔

تم اگر فضا کی پوشیدہ طاقتوں کو قبضہ میں لاؤ۔ ہوا میں جہاز اڑاؤ۔ یا ریڈیائی قوتوں کو مسخر کر کے آواز کی رفتار سے بھی زیادہ تیزی کے ساتھ اپنی شوکت و حشمت کے ذخیرے زمین کے ایک کنارے سے دوسرے کنارہ تک پہنچاؤ۔ تو قدرت کبھی تمہارے آڑے نہیں آسکتی۔ بلکہ وہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی مثال پیش کر کے تمہیں ایک ناقابل فراموش سبق دے چکی ہے۔ اب یہ تمہارا فعل ہے کہ اس سے سبق حاصل کرو یا یوں ہی دامن بچا کر گذر جاؤ۔

وكاين من اية يمرون عليها وهم عنها معرضون۔

"خدا کی کتنی ہی نشانیاں ہیں کہ ان سے منہ موڑ کر گزر جاتے ہیں۔

یہ چاند تارے۔ یہ روشن آفتاب، سب تمہارے ہی لئے ہیں۔ تم اگر مریخ تک پہنچ سکتے ہو۔ اگر چاند سے اپنا تعلق قائم کر سکتے ہو۔ تو یہ قدرت پر ہنسنے کی بات نہیں۔ بلکہ تمہیں شکر گذار ہونا چاہیئے کہ قدرت نے اپنی بے پناہ فیاضی سے اس کا حق تم کو عطا فرمایا۔ اور اپنے نبی آخر الزماں (صلی اللہ علیہ وسلم) کے واسطے سے تحریری دستاویز تم کو عطا فرما دی۔

سخر لکم ما فی السموات وما فی الارض جمیعًا (جاثیہ)

اپنی جانب سے تمہارے لئے مسخر کر دیا ان تمام چیزوں کو جو آسمانوں میں ہیں۔ اور جو کچھ زمین میں ہے۔"

یہ چشمۂ آفتاب جو بے شمار طاقتوں کا ذخیرہ ہے۔ اگر تم اس کی کرنوں کو سمیٹ سکتے ہو تو زمین کے ذرات کی طرح یہ کرنیں بھی تمھارے لئے قطعاً مباح ہیں۔ تم ان کو ضرور سمیٹو! اور اگر حق شناس اور سپاس گذار ہو تو اس خالق کا شکر ادا کرو جس نے انمول خزانہ تم کو مفت عطا کر دیا کہ اگر تم تمام دنیا کی حکومتوں اور تمام دنیا کے سرمایہ داروں کے خزانے کو خرچ کر ڈالو تو اس کا عشر عشیر بھی فراہم نہیں کر سکتے۔ اور پھر شکر ادا کرو کہ تمہیں وہ فہم و ذکاوت دی کہ قدرت کی باریکیوں کا تجزیہ کر کے نئی نئی تھیوریاں اور نئے نئے تجربے کام میں لا سکتے ہو۔

ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنہار لآیات لاولی الالباب۔ الذین یذکرون اللہ قیامًا وقعودًا وعلیٰ جنوبہم ویتفکرون فی خلق السموات والارض۔ ربنا ما خلقت ھذا باطلا۔ سبحانک فقنا عذاب النار۔

آسمانوں اور زمین کی پیدائش اور لیل و نہار کی گردش۔ میں بہت سی نشانیاں ہیں اہل دانش کے لئے جو کھڑے بیٹھے۔ اور جب کہ وہ کروٹ پر لیٹے ہوئے ہوتے ہیں

خدائے ذوالجلال کو یاد کرتے رہتے ہیں اور زمین و آسمان کی آفرینش میں غور کرتے رہتے ہیں۔ یہ غور و خوض اور یہ فکر صحیح ان کو اس اعتراف و دعا پر مجبور کرتا ہے کہ اے ہمارے پروردگار تونے یہ بیکار نہیں بنایا۔ تیری ذات کمزوریوں سے پاک ہے بس ہمیں عذاب نار سے محفوظ رکھ۔

گردش لیل و نہار کا تم شکوہ کیا کرتے ہو شکوہ اس لئے کہ قدرت کی نازبرداریوں نے تمہارا دماغ شیشے حد نازک کر دیا ہے۔ ورنہ سچ پوچھو تو رات کی تاریکی بھی تمہارے ہی سکون اور تمہارے ہی راحت و آرام کے لئے ہے اور دن کی روشنی بھی تمہارے ہی کاروبار کے واسطے ہے۔

جعل لکم الیل والنھار لتسکنوا فیہ ولتبتغوا من فضلہ ولعلکم تشکرون۔

تمہارے لئے رات بنائی اور دن بنایا تاکہ رات کو سکون اور آرام حاصل کرو۔ اور دن کی روشنی میں اللہ تعالٰے کا فضل و احسان حاصل کرو ـــــ اور تاکہ تم خدا کا شکر کرو۔

تم خدا کا شکر ادا کرو کہ تمہاری تقویم اس طرح کی کہ کائنات عالم کی تمام صلاحیتیں تمہارے اس چند فٹ کے قد و قامت میں ودیعت فرما دیں۔ یہ بھی خدا کا انعام ہے۔

لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم (سورہ طین)

ہم نے پیدا کیا انسان کو بہترین انداز میں۔

قدرت خداوندی کی وہ تمام نشانیاں جو زمین و آسمان کے وسیع دامنوں میں پھیلی ہوئی ہیں تمہارے اس عجیب و غریب جثہ میں جمع کر دیں اور نہ پورے جثہ میں بلکہ اس ننھی سی نرالی دنیا میں جس کا نام دل ہے۔ عجائبات کا ایک عالم پنہاں کر دیا ہے

وفی الارض آیات للموقنین وفی انفسکم افلا تبصرون۔
زمین میں نشانیاں ہیں اہل یقین کے لئے اور خود تمہارے اندر ـــــ
کیا تم بصیرت نہیں رکھتے۔

مشاہدات کے علاوہ کچھ اور عالم بھی ہیں جن سے متاثر ہو کر کبھی دیوی اور دیوتا کا تخیل قائم کیا گیا اور کبھی جن اور پری کے افسانے بنائے گئے۔

یہ دین جس کی قرآن حکیم دعوت دے رہا ہے۔ یہ فی الحقیقت دین فطرت ہے، وہ ان کی حقیقت تسلیم کرتا ہے۔ مگر دیوی۔ دیوتا یا معبود اور مستحق پرستش کی حیثیت سے نہیں بلکہ عظمت انسان کے سامنے سجدہ ریز اور دربار شرف میں حاشیہ نشیں کی حیثیت سے کیونکہ یہ سب وہ ہیں جن کی فطری صلاحیتیں انسانی قابلیت و صلاحیت کے سامنے گردن نیاز خم کر چکی ہیں۔

واذ قلنا للملائکۃ اسجدوا لآدم فسجدوا الا ابلیس
جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کے سامنے سر نیاز خم کرو۔ تو ابلیس
کے سوا سب نے سر نیاز خم کر دیا!

ایک مخلوق وہ بھی ہے جس نے گردن جھکانے سے انکار کیا۔ مگر صلاحیتوں اور قابلیتوں کے پیدا کرنے والے خدا ذوالجلال نے اس کو مجرم گردانا ـــــ اس کے انکار نے عظمت انسان کے وسیع دامن پر کوئی دھبہ نہیں لگایا۔ کیونکہ خالق ذوالجلال کا فیصلہ پھر بھی یہی رہا کہ

لقد کرمنا بنی آدم وحملناھم فی البر والبحر ورزقناھم
من الطیبات وفضلناھم علی کثیر من الخلق تفضیلا
ہم نے شرف بخشا ہے اولاد آدم کو ان کو بر و بحر میں سواری عطا کی
اور پاکیزہ چیزوں کا رزق بخشا۔ اور بہت سی مخلوقات پر ان کو

فضیلت عطا کی۔

عہد الست

اس دور جمہوریت میں ہمارے وزراء حلف وفاداری اٹھاتے ہیں اور نہ صرف وزراء بلکہ پارلیمنٹ اور اسمبلی کے ہر ایک ممبر کو یہ حلف اٹھانا پڑتا ہے یہ اس معاہدہ کی تجدید ہوتی ہے۔ جو انہوں نے اپنے رائے دہندوں سے کیا تھا۔ جنہوں نے ان کو اپنا نمائندہ بنا کر ملک کا کاروبار چلانے اور وطن کو آگے بڑھانے کے لئے بھیجا تھا۔ انسان کو جب خلافت عطا کی گئی تو اس سے بھی عہد لیا گیا، چنانچہ ارواح کو خطاب کرتے ہوئے رب العالمین کا ارشاد ہوا ــــ الست بربکم تمام ارواح نے اقرار کیا "بلٰی" بلاشک وشبہ آپ ہمارے رب ہیں۔ یہ عہد فطرت انسانی میں جاگزیں ہو چکا ہے۔ چنانچہ فطرت انسانی رب اور خالق کے اعتراف پر مجبور و مجبول ہوتی ہے البتہ تعبیریں مختلف ہوتی ہیں۔ انتہا یہ کہ منکرین خدا بھی ایک ایسی طاقت کے اعتراف پر مجبور ہیں جس کے بل بوتے پر نیچر کا یہ سارا کاروبار چل رہا ہے اللہ کے ماننے والے اس میں یہ اضافہ کر دیتے ہیں کہ وہ طاقت جاہل نہیں صاحب علم و ارادہ ہے، صاحب حکمت و دانش اور سمیع و بصیر ہے۔

آدمی قرآنی اخلاقیات کے بغیر انسانیت کی طرف نہیں بڑھ سکتا

انسانیت کیا ہے

یونان اور یورپ کے فلسفہ نے جو چیز ہمیں انسانیت کے نام پر عطا کی وہ صرف ادراک وشعور کا اونچا مرتبہ ہے جو نطق کے نام سے انسان کی جھولی میں ڈال دیا گیا۔ اخلاق سے اس کو کوئی واسطہ نہیں ہے اخلاق اور روحانیت اس کے لئے ایک غیر فطری بار ہے جو جزو فطرت نہیں بلکہ باہر سے اس پر لادا جا رہا ہے۔

(۱) پس اگر حیوان ناطق یا ترقی یافتہ ذکی اور ذہین جانور کی نظر حیوانیت اور بہیمیت کے تنگ دائرہ سے آگے نہیں بڑھ سکتی وہ اگر جانوروں کی طرح شہوت رانی میں مبتلا ہوتا ہے۔ وہ اگر بھیڑیوں کی طرح پھاڑتا ہے وہ اگر چیتوں اور ریکر بھگوں کی طرح ایک دوسرے پر حملہ آور ہوتا ہے۔ وہ اگر لومڑیوں کی طرح مکر و فریب سے کام لیتا ہے۔ وہ اگر بلی کی طرح خوشامدی یا بندروں کی طرح چالباز ہے اگر ایک قوم دوسری قوم کے مقابلہ میں چند صفت اور بوم خصلت ہے تو وہ قطعاً معذور ہوگا۔ کیوں کہ وہ حیوان ہے اور حیوانیت اس کی فطرت۔

(۲) حیوان ناطق کی حیثیت سے اس کو قطعاً حق نہیں کہ وہ زمین کے کسی خزانہ کو ہاتھ لگائے۔ کیونکہ وہ اس کا نہیں وہ دوسرے حیوانوں کا ہے جو وہاں رہتے ہیں۔ سمندروں کی تہہ میں غوطہ لگانا اس کے لئے درست نہیں ہوگا۔ سطح سمندر اس کے لئے حرام ہوگی کیونکہ وہ اس کے لئے نہیں بلکہ آبی اور سمندری حیوانات کیلئے ہے۔ فضا آسمانی میں اس کے لئے دخل دینا حرام ہوگا۔ کیونکہ وہ زمین پر چلنے والے حیوانوں کے لئے نہیں بلکہ آسمان میں رہنے والے پرندوں کے لئے ہے۔ وہ اگر دخل دیتا ہے تو لامحالہ ظالم ہے، غاصب ہے، رہزن اور قزاق ہے اور غالباً اسی ظلم کے کفارہ کے لئے ایک قوم کے مصنوعی خدا کے اکلوتے بیٹے کو سولی پر چڑھنا پڑا۔ معاذ اللہ

کبرت کلمۃ تخرج من افواھھم ان یقولون الا کذبا۔ کتنی بڑی ہے یہ بات جو ان کے منہ سے نکل رہی ہے۔ سراسر جھوٹ کہتے ہیں۔

وہ اگر حیوان ہے تو اس کو مریخ یا چاند تک پہنچنے کا بھی کوئی حق نہیں نہ بجلی بھی مسخر نہیں کر سکتا۔

(۳) وہ اگر فرشتوں کو دیوتا مانتا ہے تو معذور سمجھا جائے گا۔ اگر وہ

آفتاب کے سامنے سجدہ کرنے یا چاند گہن پر اپنی قربانیاں پیش کرے تو معذور مانا جائے گا۔ کیونکہ یہ حیوان ہے اور حیوان کا مرتبہ ان سب سے کم ہے۔ کم مرتبہ والے کو لامحالہ عظیم المرتبت کا احترام کرنا چاہیئے لیکن علوم ثبوت اور لسان قرآن کی تفسیر کے مطابق درجہ انسانیت، حیوانیت سے بہت بلند و بالا ہے بلکہ وہ سراسر روحانیت اور سرتاپا شرف وعظمت ہے کیونکہ انسانیت اس ذات ارحم الراحمین رب العالمین کی خلافت ونیابت ہے۔ جو تمام کمالات، تمام صفات کاملہ اور اخلاق فاضلہ کا منبع اور مرکز ہے۔ اس ذات اقدس و اعلیٰ کی خلافت، اعلیٰ اخلاق کی تصویر اور صفات وکمال کا پرتو ہوگا۔ انسانیت ایک ایسی حقیقت ہوگی جس کی تعبیر کے لئے ہم صرف شرف، عظمت تنزہ اور تقدس جیسے الفاظ ہی استعمال کرسکتے ہیں۔

تقاضاء انسانیت

(۱) معرفت :- خلیفہ اپنی حقیقت وحیثیت اس وقت تک نہیں پہچان سکتا جب تک وہ اس کو نہ پہچانے جس نے اسے خلیفہ اور نائب بنایا ہے۔ آپ حیوانیت کے تنگ اور تاریک دائرہ سے بلند ہو جئے اس کا اعتراف کیجئے کہ قرآن حکیم کی بشارت کے مطابق آپ "خلیفۃ اللہ" ہیں تو آپ کی نظر سب سے پہلے اپنے خلیفہ بنانے والے آقا پر پڑے گی۔

آپ جیسے خود کو پہچان لیں گے۔ خدا کو پہچاننے لگیں گے۔ خود شناسی خدا شناسی بن جائے گی۔

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ جس نے خود کو پہچان لیا خدا کو پہچان لیا۔

معاذاللہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ خلیفۃ اللہ اپنے رب کو صرف حیوان تصور کرنے لگے۔ یہ خود فراموشی خدا فراموشی ہو جاتی ہے۔ یہ بدترین لعنت ہے۔ انسان کی نظر

جب مادیات پر جم کر رہ جائے تو وہ "خدا فراموش" بن جاتا ہے۔ اس خدا فراموشی کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی عظمت اور اپنی برتری سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نصیحت ہے:۔

لا تکونوا کالذین نسوا اللہ فانساھم انفسھم اولئک ھم الفاسقون

تم ان جیسے نہ ہو جاؤ جنہوں نے خدا کو بھلا دیا پس خدا نے خود انکی حقیقت سے ان کو غافل کر دیا۔ یہی ہیں حدود اعتدال سے — خارج ہونے والے۔

(۲) توحید۔ یعنی یہ کہ فاطر ہستی اور خالق کائنات صرف ایک ذات ہے جو وجود و حیات کا مرکز، صاحب علم و ارادہ اور تمام کمالات کا سرچشمہ ہے۔

توحید اسلام کا بنیادی عقیدہ اور قرآن حکیم کا سب سے اہم موضوع ہے قرآن حکیم کے تقریباً دو تہائی حصہ میں اسی موضوع پر بحث کی گئی ہے۔

مگر عقیدہ توحید اس لئے نہیں کہ وہ کوئی فرمائشی چیز ہے اور اللہ تعالیٰ کی رعایت یا قرآن شریف کے کہنے سے اس کو مان لینا چاہئے بلکہ اس لئے کہ شرف و عظمت انسانی کا تقاضا بھی یہ ہے کہ وہ ہر ایک سے بے نیاز ہو کر ہر ایک فانی سے منہ موڑ کر صرف ایک کا رخ کرلے۔ اسی کے سامنے گردن جھکائے اور اسی عظمت کا سکہ اپنے دل و دماغ پر جمالے۔

قل ھو اللہ احد اللہ الصمد لم یلد ولم یولد ولم یکن لہٗ کفواً احد

کہو اللہ ایک ہے اللہ بے نیاز ہے نہ اس نے کسی کو جنا نہ وہ کسی سے جنا گیا اور کوئی اس کا ہمسر نہیں ہے۔

قرآن حکیم شرف و عظمت انسانی کا الہامی درس ہے۔ اس کا مطالبہ ہے کہ آپ حوصلہ بلند اور نظر اونچی رکھیں۔ آپ کا سر اور آپ کی پیشانی متاع گرانمایہ ہے یہ ایک واجب الاحترام دولت ہے اس کو جھکانے میں پوری احتیاط سے کام لیں۔

معاذ اللہ کتنا بڑا ظلم تھا جو انسان خود اپنے اوپر کر رہا تھا۔ وہ اپنی معیشت سے غافل تھا وہ اپنی پیشانی کی عظمت نہیں پہچانتا تھا۔ اوہام کے پردوں نے اس کے دماغ کو مفلوج ومعطل اور سوز قلب کو مبہم کر دیا تھا۔ وہ دردر مارا مارا پھر رہا تھا۔ اور اپنی پیشانی ہر ایک عجیب ہر ایک ہیبت ناک اور خوفناک بلکہ بسا اوقات شرمناک چیز کے سامنے دے مارتا تھا۔ قرآن حکیم کی اصطلاح میں اس کا نام شرک ہے۔ یہ خود فراموشی کا نتیجہ ہے۔ یہ بہت بڑا ظلم ہے خدا پر نہیں بلکہ خود اپنے اوپر اور اپنی فطرت پر قرآن محکم کی روایت کے مطابق حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادہ کو وصیت کی تھی۔

یا بنی لا تشرک باللہ۔ بیٹا خدا کا شریک نہ بنا۔ ان الشرک لظلم عظیم۔ کیونکہ شرک بہت بڑا ظلم ہے۔

ایک نائب السلطنت اپنے اوپر اس سے زیادہ اور کیا ظلم کر سکتا ہے کہ حکمراں ہونے کے بجائے وہ محکوم کا محکوم۔ اور غلام بن جائے جن کی پیشانیاں اس کے سامنے جھکنی چاہئیں۔ جن کی گردنیں اس کے قدموں پر نثار ہونی چاہئیں۔ جن کا وجود اس لئے ہو کہ اس کی ضرورت اور اس کی خواہشات پر قربان ہو یہ خود اس کے قدموں میں گرے اور اس پیشانی کو جس کو قدرت نے ساری کائنات سے بلند کیا تھا ذلیل ترین چیزوں کے سامنے ذلیل ورسوا کرے۔

اپنے مرکز سے ہٹنے کا نتیجہ لامحالہ تباہی۔ بربادی۔ ذلت اور رسوائی ہوگا۔
ومن یشرک باللہ فکانما خر من السماء فتخطفہ الطیر او تہوی بہ الریح فی مکان سحیق۔

جو شخص اللہ کا شریک گردانتا ہے گویا وہ آسمان سے گر جاتا ہے (وہ اپنے مرکز سے ہٹ چکا ہے اب اس کا کوئی مرکز نہیں ہے) اس کو پرندے اچک لیں یا ہوا کا جھونکا کسی

گہری جگہ میں اس کو پہونچا دے۔

اس سے زیادہ سیاسی اور اس سے زیادہ غیر فطری جرم کیا ہو سکتا ہے کہ خود اپنی فطرت کو معکوس کر دے اور آقا کی بجائے غلاموں کا غلام بن جائے۔ یہ لامحالہ ایک ابدی اور دوامی سزا کا مستحق ہے۔

تقاضاء توحید نفی ملوکیت اور مساوات

نفی ملوکیت اور مساوات

یہاں ایک بات اور سن لیجئے توحید اور خلافت الٰہیہ کا تصور اس وقت تک پورا نہیں ہو سکتا جب تک ملوکیت اور طبقاتی یا نسلی اونچ نیچ کا قلع قمع نہ کرایا جائے۔

خلافت کسی ایک شخص یا کسی ایک خاندان کو نہیں عطا کی گئی، بلکہ نوع انسانیت کو خلعتِ خلافت پہنایا گیا ہے۔ اس میں کالا، گورا، عرب و عجم سب برابر ہیں۔ یہاں نہ کوئی نسلی امتیاز چل سکتا ہے نہ طبقاتی تفاوت۔ چنانچہ قرآن حکیم میں جس شد و مد سے شرک کی مخالفت کی گئی ہے، ایسے ہی نسلی اور جغرافیائی امتیاز کو اٹھا کر اعلان کیا گیا ہے۔

یاایہا الناس انا خلقناکم من ذکر و انثیٰ وجعلناکم شعوبا وقبائل لتعارفوا ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم ان اللہ علیہم خبیر (حجرات)

ہم نے سب کو ایک ہی مرد و عورت سے پیدا کیا ہے۔ اور کنبے قبیلے ایک دوسرے کی شناخت کے لئے بنائے ہیں۔ بہتر تم میں سے وہی شخص ہے جو زیادہ پرہیزگار ہے۔

نوع انسان کو تقویٰ کا درس دیتے ہوئے مرد اور عورت کا تفاوت بھی

اٹھا دیا گیا ہے۔ ارشاد ہوا۔

یا ایھا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق منھا زوجھا وبث منھما رجالا کثیرا ونساء ط واتقوا اللہ الذی تساءلون بہ والارحام ط ان اللہ کان علیکم رقیبا (نساء)

اے لوگو! اس پروردگار سے ڈرو، جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا، اس سے اس کا جوڑا بنایا، اور ان دونوں سے بے شمار مرد و عورت پیدا کیئے۔ اور اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو۔ اور رشتہ داروں کے بارے میں تقوی سے کام لو، بیشک اللہ تعالیٰ تمہاری نگرانی کرتا رہتا ہے"

یہ قطعاً درست نہیں کہ ایک قوم دوسری قوم کا مذاق اڑائے یا ذلیل سمجھے۔

لا یسخر قوم من قوم عسیٰ ان یکونوا خیرا منھم ط ولا نساء من نساء عسیٰ ان یکن خیرا منھن

ایک قوم دوسری قوم کا مذاق نہ اڑائے۔ بہت ممکن ہے وہ اس سے بہتر ہو۔ نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں۔ بہت ممکن ہے وہ ان سے بہتر ہوں"

یہ بھی درست نہیں کہ اپنی ذات کو اونچا یا بہتر تصور کیا جائے۔

لا تزکوا انفسکم ھو اعلم بمن اتقیٰ ط (سورۂ نجم)

اپنے آپ کو پاک صاف مت سمجھو۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ زیادہ متقی کون ہے"

لا تلمزوا انفسکم ولا تنابزوا بالالقاب بئس الاسم الفسوق

بعد الایمان۔ (حجرات)

آپس میں ایک دوسرے پر عیب نہ لگاؤ اور نہ کسی کو برا لقب دے کر بدنام کرو۔ یاد رکھو مومن باللہ کو فاسق کہنا بہت بُری بات ہے۔

نسلی تفاوت فطرت کے خلاف جنگ ہے۔ کتنا بڑا جرم ہے کہ آپ اس کو حقیر سمجھیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کی طرف خلعت خلافت دنیا سے نوازا ہے۔ اسی لئے ان آیات میں بار بار تقوے کا ذکر فرما کر اللہ تعالیٰ کے قہر و غضب سے ڈرایا گیا ہے۔ جو قومی پستی اور زوال کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

ملوکیت اور شاہ پرستی ایک قسم کا شرک ہے۔ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیصر و کسریٰ اور دوسرے ملوک (جن کے یہاں تخت بوسی اور پا بوسی وغیرہ کے طریقے عام تھے) دعوت اسلام پیش کی تو یہ فقرہ آپ کے تمام دعوت ناموں میں مشترک تھا۔

تعالوا الی کلمۃ سواء بیننا و بینکم الا نعبد الا اللہ ولا نشرک

بہ شیئا ولا یتخذ بعضنا بعضا اربابا من دون اللہ

آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مساوی ہے۔ یعنی یہ کہ اللہ کے سوا کسی کی پرستش نہ کریں۔ نہ اللہ کا کسی کو شریک بنائیں۔ اور نہ آپس میں ایک دوسرے کو رب (آقا اور مالک) بنائیں۔

صحابہ کرامؓ نے خواہش کی کہ جس طرح قیصر و کسریٰ کے سامنے لوگ زمین بوس ہوا کرتے ہیں۔ آپؐ کی بارگاہ میں بھی ہم یہ آداب بجا لائیں۔ کیونکہ وہ صرف چند روز دنیا کے بادشاہ ہیں۔ اور آپؐ شاہ دوجہاں ہیں۔ محبوب رب العالمین ہیں۔

صحابہ کرام نے خواہش کی کہ جس طرح قیصر و کسریٰ کی مہذب اور متمدن مجلسوں میں

لوگ دست بستہ بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوتے ہیں۔ آپؐ کے سامنے ہم بھی اسی طرح کھڑے ہوں۔!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قسم کی درخواستوں کو منشائے اسلام کے خلاف قرار دیتے ہوئے سختی سے مسترد فرمایا۔ کیونکہ یہ تمام باتیں جن کو بدقسمتی سے آداب مجلس اور درباری آداب کہا جاتا ہے۔ دامن توحید پر شرک اور پرستش غیر اللہ کا دھبہ ہیں۔ جس کو تقدس توحید کسی طرح بھی گوارا نہیں کر سکتا۔

قرآن حکیم کی سب سے پہلی سورت کی سب سے پہلی سطر پڑھئے اور غور کیجئے۔ اس سطر میں اللہ کی تین صفتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

(۱) ربوبیت (۲) رحمت اور (۳) عدل و توازن سب سے آخری سورت میں تین صفتیں ارشاد ہوئی ہیں (۱) رب الناس (۲) ملک الناس اور (۳) الٰہ الناس — یعنی رب، بادشاہ اور معبود — پہلی سورت میں یہ تین صفات بیان کرنے کے بعد ہدایت ہوئی ہے کہ ہم عبودیت اور بندگی کا اعتراف کریں۔ اور ہدایت کی دعا مانگیں۔ آخری سورت میں یہ تین صفتیں بیان کرکے اپنے نفس کے اندرونی اور بیرونی شر سے پناہ مانگی گئی ہے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اس دستور اساسی کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفتیں بیان فرما کر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ "انسان" یعنی اللہ کے خلیفہ اور نائب کو اللہ تعالیٰ کی ان تین صفات کا مظہر ہونا چاہیئے۔ یعنی اس کو خلق خدا کا مربی خلق خدا کے حق میں رحیم و مہربان اور عادل و منصف ہونا چاہیئے۔ اور آخر کی تین صفات یہ ہیں کہ انسان کو دعوئی ملوکیت اور شاہیت سے ہمیشہ کنارہ کش رہنا چاہیئے کیونکہ ملک وہ ہو سکتا ہے جو رب ہو۔ اور جو ملک اور رب ہوگا وہ لامحالہ الٰہ اور معبود ہوگا۔

یہ صرف خداوند عالم کی شان ہے۔ انسان اگر دعوئی ملوکیت کرتا ہے تو وہ فرعون کی طرح

انا ربکم الاعلیٰ

کے احمقانہ دعوی پر بھی آمادہ ہوجاتا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

عبادت

اگر آپ کی نظر صرف حیوانیت تک محدود ہے۔ اور اگر آپ کا اصرار یہی ہے کہ انسان صرف ایک مادی جرثومہ ہے۔ جس میں بطفیل ارتقا احساس وشعور کا لطیف درجہ پیدا ہوگیا ہے تو پھر آپ یہ بھی تسلیم کر لیجئے کہ اخلاق کردار اور شرافت وغیرہ شاعرانہ خیالات ہیں۔ جن کی نہ کوئی حقیقت ہے اور نہ عقل وفہم کی مارکیٹ میں ان کی کوئی قیمت ہے۔ کیونکہ حیوانیت کی یہ زندگی اسی وقت تک رہے جب تک اربعہ عناصر یا کیمیا اجزار کی موجودہ ترکیب باقی ہے۔ اور جیسے ہی یہ اجزار تحلیل ہوئے اور عناصر کی یہ ترکیب فنا ہوئی انسان فنا ہوگیا۔ اور کردار و شرافت اور اعلیٰ اخلاق کا افسانہ بھی پردہ ماضی میں گم ہوگیا۔ تو پھر کیا ضرورت ہے کہ انسان اخلاق کی خاطر نقصان اٹھائے۔ اور ہزاروں مصیبتیں جھیل کر کردار بلند رکھنے کی کوشش کرے۔

بس اقوام عالم یا کسی فرد یا جماعت سے اخلاق وشرافت کے نام پر اپیل کرنا قطعاً بے معنیٰ ہوگا۔ بلکہ ایک قسم کا فریب اور دھوکا ہوگا۔ پھر مسٹر جیسے انسانوں کا یہ مقولہ کہ معاہدہ کام نکالنے کے لئے ہوتا ہے یا نادرشاہ جیسے سفاکوں کا یہ خیال کہ رحم کمزوری قلب کا نتیجہ ہے بالکل صحیح ہونا چاہئے۔

اس صورت میں عبادت۔ خدا پرستی۔ رحم وکرم کے کوئی معنی نہ ہوں گے۔ اور انسان کامل اس شخص کو کہا جائے گا۔ جیوانوں کی طرح اپنی اغراض کا بندہ اپنے پیٹ کا پجاری۔ اور بقاء نسل یا شہوت رانی کے لئے جائز و ناجائز کی تمیز سے قطعاً ناآشنا

ہوے مگر جبر و قہر کی ڈپلومیسیوں سے گھبرائی ہوئی دنیا ایسے تصورات سے بیزار ہے وہ انسانیت کو یہ ذلیل درجہ دینے کے لئے تیار نہیں ہے مگر قرآن حکیم تو انسانیت کو خلافت الٰہیہ کے سر پر سجلے پر فائز کرچکا ہے۔ جسم انسان اور روح و بدن کے اس تعلق کو بیشک ایک حباب مانتا ہے۔ لیکن وہ حیات انسان کو اسی وقت تک محدود اور اس درجہ فانی ماننے کے لئے تیار نہیں وہ مرنے والے انسان کو بھی زندگی کی بشارت سناتا ہے۔ قرآن حکیم زندگی کے دو حصے قرار دیتا ہے۔ ایک الحیوۃ الدنیا یعنی وہ زندگی جو آپ سے قریب تر ہے بالفاظ دیگر موجودہ زندگی دوسری وہ زندگی جس کا آغاز موت کے بعد ہوگا۔ جب آپ کا یہ قالب آپ سے جدا ہو جائے گا اس کو الحیوۃ الاخرۃ سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی وہ زندگی جو بعد میں آنے والی ہے۔ قرآن حکیم کی نظر میں حیوۃ آخرۃ ہی حقیقی زندگی ہے۔ ماضی کے نتیجہ سے آج ہم بہرہ اندوز ہو رہے جو کل بویا تھا اس کو کاٹ کر آج اپنی غذا بنا رہے ہیں۔ جس پر ہماری مادی زندگی کا مدار ہے۔ لیکن کیا اس آخرت کی زندگی کے لئے بھی غذا کی ضرورت ہے۔ کیا وہاں بھی سکون درکار ہوگا۔ اور کیا شرف و عظمت کے مراتب وہاں بھی متفاوت ہونگے؟

بیشک الحیوۃ الاخرۃ کے لئے غذا درکار ہے اس کے لئے بھی سکون کی ضرورت ہے اور اس کے لئے بہت سے اعلیٰ و ادنیٰ درجے ہیں — مگر وہ غذا اور وہ سکون مادی تخم سے پیدا نہیں ہوتا۔ وہ روحانی غذا تخم ہی سے پیدا ہوتی ہے۔ کردار اس کا تخم ہے۔

عبادت جو واعظ صاحبان کے وعظ کا موضوع ہوا کرتی ہے جس کے تذکرے آپ جیسے نوجوان کچھ غیر مانوس زبانوں سے سنا کرتے ہیں یہی غذا ہے۔

وحی الٰہی۔ انبیا علیہم السلام پر اسی لئے نازل ہوئی کہ اس آخروی غذا کے ذرائع بیان کریں۔ ان ذرائع سے استعمال کا طریقہ بتائے۔ ان غذاؤں اور ان

کے ذرائع کا تحلیل تجزیہ کرے۔ نافع اور ضار کی تشخیص کرکے حیات اخروی کو تباہ حالی اور فاقہ مستی سے بچانے کے لئے کس غذا کی کس قدر ضرورت ہے۔ وہ حیات کس طرح پر تکلیف بنتی ہے کس طرح اس کی درجات قائم ہوتے ہیں اور کس طرح ان کو حاصل کیا جاتا ہے۔

انبیاء علیہم السلام اور آسمانی کتابیں اس کی تشریحات سے بھری ہوئی ہیں اور قرآن حکیم ان تشریحات کا بہترین مختصر اور جامع مجموعہ ہے "وہ تبیانا لکل شئ وھدی ورحمتہ" ہے۔

نماز، روزہ وغیرہ اسی عبادت کی صورتیں ہیں۔

تعمیر انسانیت

معرفت، توحید اور عقائد اور عبادت، انسانیت کے لازمی تقاضے اور ایسے فرائض ہیں جن کا تعلق ہر انسان سے انفرادی اور شخصی طور پر ہے۔ عقائد کی اصلاح، اپنے خالق کی تعظیم اور حیات اخروی کی بہبود و فلاح کے لئے عبادت اور اپنے پروردگار کی معرفت ہر ایک انسان کا انسان کی حیثیت سے فریضہ ہے۔

مذاہب عالم نے عام طور پر انہیں فرائض کو انسان کے آخری فرائض اور انسانیت کا آخری تقاضا قرار دیا ہے۔ اور یہی وجہ تھی کہ پیشوایان مذاہب نے دنیا کو لعنت قرار دے کر دنیا سے الگ تھلگ "صوامع" عبادت خانے، خانقاہیں اور کٹیاں بنائیں۔ اور ان میں زندگی گزارنے کو انسانیت کی معراج تصور کیا۔

مگر انسان کو جو چیز حیوانات سے ممتاز کرتی ہے وہ یہ عزلت اور گوشہ نشینی نہیں۔

ایک بڑی چیز جو انسان کو ممتاز کرتی ہے وہ اس کی اجتماعی فطرت ہے۔

مدنیت، شہریت اور اجتماعیت انسان کی فطرت ہے۔ یہی فطری خصلت اس کو آمادہ کرتی ہے کہ وہ ویرانوں کو آباد کرے لق و دق میدانوں کو پر رونق

شہر بنائے۔ جنگلوں اور صحراؤں کو گلشن و گلزار کی زیبائش بخشے اور وہ طرح طرح کے آلات ایجاد کرے۔ جن سے اس کے اجتماعی اور قومی مقاصد کامیاب ہوں۔

یہی خصلت یعنی مدنیت اور اجتماعیت ایسی خصلت ہے جس میں خلافت الٰہیہ کے معنی نکھرتے ہیں۔ کیونکہ یہی مقام ہے جہاں خلافت الٰہیہ صفات خداوندی کا مظہر بن کر جلوہ گر ہوتی ہے۔ اور سچ پوچھو تو یہی حقیقت اس کو ملائکہ سے ممتاز کرتی ہے اور یہی دشوار گھاٹی ہے۔ جہاں بڑے بڑے زاہدوں اور عابدوں کے قدم ڈگمگا جاتے ہیں۔ اور یہی معیار ہے جس پر مکارم اخلاق کی صحیح پرکھ ہو سکتی ہے اور یہی خصلت ہے جو قوموں کے عروج و زوال کا مدار ٹھہری ہے۔ اسلام انسان کی اسی فطرت کو خاص طور پر سبب ار کرتا ہے۔ چنانچہ اس نے عبادت جیسی انفرادی چیز میں بھی اجتماعی شان پیدا کر دی ہے وہ نماز پڑھنے والوں کو گھروں سے مسجد (اسلامی عبادت خانہ) میں بلاتا ہے اور نماز پڑھانے کے لئے خلیفہ کو (جس کے ہاتھ میں سیاست کی باگ ڈور ہو) دعوت دیتا ہے۔

قرآن کے مباحث کا بیشتر حصہ اجتماعیات سے متعلق ہے۔ وہ پوری شرح و بسط کے ساتھ اقوام عالم کے عروج و زوال کے اسباب بیان کرتا ہے۔

عروج و زوال کے اسباب کا تجزیہ کرکے ترقی پذیر قوم کے اوصاف و خصائل اور تباہ شدہ اقوام کے اجتماعی امراض شمار کرتا ہے۔ پھر ان کے نتائج بیان کرتا ہے۔ معجزانہ انداز میں بار بار ان کے نظائر و شواہد بیان کرکے زندگی کی رگوں کو متحرک کرتا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب انسانیت کا ذکر کیا جائے اور جب تعمیرِ انسانیت کے متعلق بحث شروع ہو تو سب سے پہلے اجتماعی مسائل سامنے آتے ہیں کیوں کہ ان کے بناؤ سنگار سے انسانیت کی تعمیر اور تکمیل ہوتی ہے۔

روحِ اجتماع اور محرکاتِ شہریت

اس موقع پر ایک سوال حل کر لینا ضروری ہے۔ سوال یہ ہے کہ اجتماعیت اور شہریت تمدن اور ثقافت صرف انسان ہی کے ساتھ مخصوص کیوں ہیں۔ خدا کی مخلوق اجتماعیت اور مدنیت سے کیوں محروم ہے۔ یعنی وہ کونسی صفات ہیں جو انسان کو مل جل کر رہنے، قبیلہ اور خاندان کا حصار قائم کرنے، رشتہ اور قرابت کا احساس، خاندانی روایات کی عظمت، اور قومی تاریخ کے احترام پر مجبور کرتی ہیں۔

یہ جو انسانوں کی جماعت، گاؤں اور شہر آباد کر لیتی ہے، پنچایتیں، میونسپل بورڈ، ڈسٹرکٹ بورڈ اور پھر اسمبلی اور پارلیمنٹ بناتی ہے نظامِ حکومت قائم کرتی ہے۔ تو کیا یہ صرف اس ادراک اور اس شعور کا تقاضا ہے، جو دوسرے حیوانات سے انسان کو عطا کیا گیا ہے۔ یا ادراک و شعور کا کام یہ ہے کہ وہ ایک طریقہ ایجاد کر دے۔ اور اصل محرک کوئی اور چیز ہے۔

مل جل کر رہنا — ادراک و شعور کا تقاضا ہو سکتا ہے۔ مگر اصل محرک ادراک و شعور نہیں ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ جب ادراک و شعور نہیں ہوتا اور جس وقت ادراک و شعور ابتدائی درجہ میں ہوتا ہے۔ اس میں یہ قابلیت نہیں ہوتی کہ وہ کوئی فیصلہ کر سکے۔ مل جل کر رہنے کا شوق اس وقت بھی ہوتا ہے بلکہ میل جول کا جذبہ اس وقت ایک با ادراک، پختہ کار دانش مند کے مقابلہ میں زیادہ ہوتا ہے۔

ایک بچہ جو ادراک وشعور سے محروم ہے۔ ایک لمحہ بھی اپنی ماں یا اپنے مربی کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ایک بلند پایہ عالم، مفکر اور خدا ترس عابد و زاہد بسا اوقات تنہائی پسند کرتا ہے اور کبھی یہ نوبت بھی آجاتی ہے کہ وہ انسانوں سے گھبرانے لگتا ہے۔ گوشۂ تنہائی کو عافیت اور راحت تصور کرتا ہے، مگر چھوٹے بچے جن کا ادراک وشعور ناقص ہوتا ہے، اپنے ہمجولیوں کے بغیر زندگی کا ایک لمحہ گذارنا بھی پسند نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اجتماع اور شہریت کا محرک اگر ادراک وشعور ہوتا تو جیسے جیسے ادراک بڑھتا شوق اجتماع بھی بڑھتا رہتا۔ لیکن جب واقعہ یہ نہیں ہے تو ماننا پڑے گا کہ مدنیت واجتماعیت کا اصل محرک ادراک وشعور نہیں بلکہ وہ انس اور وہ محبت اور ہمدردی ہے جس کے ساتھ وہ ہمدردی اور وہ پریم، مدنیت اور اجتماعیت کا اصل محرک ہے جو فطرت انسانی کو تمام حیوانات کے مقابلہ میں زیادہ مقدار میں عطا ہوئی ہے۔

یہی پریم و محبت ہے جو ایک کو دوسرے سے ملاتی ہے۔ دو دلوں کو جوڑتی ہے، رشتہ داروں کے دلوں میں تڑپ اور اضطراب کی لہریں اٹھاتی ہے اور دوستوں کے دلوں کو شوق دیدار کا لالہ زار بناتی ہے۔

یہی وہ مادہ ہے جس سے مے کدۂ انسانیت آباد ہے۔ یہی ساغر ہے جس کے متوالے مدنیت کے گیسو سنوارتے ہیں، جن کے رقص مستانہ سے فنون لطیفہ کی پھول جھڑیاں نمودار ہوتی ہیں۔

یہی انس و محبت اور ہمدردی و غم خواری ہے کہ جب اس میں سوز و گداز کی آمیزش سوا ہوتی ہے تو وہ کیفیت پیدا ہوتی ہے جس کا نام "رحمت" ہے اور جب اس پر شفقت، خیر خواہی اور عافیت اندیشی کا سایہ پڑتا ہے تو وہ رنگ پیدا ہو

ہے جس کو ترتیب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بہرحال یہ تین صفات ہیں جو دنیا را جتماعیت کا اصل سرمایہ ہیں۔ انس و محبت، تربیت اور رحمت۔ ان تینوں صفات کا مرکزی نقطہ انس و محبت ہے۔ جس کی ترقی یافتہ شکل کبھی تربیت کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے اور کبھی رحمت کی شکل میں۔ مگر ان مدنیت اور اجتماعیت کی حفاظت کے لئے ایک میزان کی بھی ضرورت ہے۔ یعنی انس و محبت کے لئے ایک توازن ہونا چاہیئے۔ اگر یہ توازن بگڑ جائے تو مدنیت اور اجتماعیت کا مزاج بھی خراب ہوجاتا ہے۔ مثلاً تعلیم و تعلّم اور فنون لطیفہ کی مہارت یہ بہترین صنعت ہے۔ لیکن یہ بہترین صنعت اگر حد اعتدال سے بڑھ جائے مثلاً ہر ایک باشندۂ ملک تعلیم و تعلّم اور آرٹ وغیرہ میں مشغول ہو جائے۔ اور کاشت کاری، کارخانہ داری، صنعت و حرفت کو بالائے طاق رکھدے تو یہ بڑھا ہوا انس مدنیت اور اجتماعیت کا مزاج بگاڑ دیگا۔ نوع انسان کھانے سے محتاج ہو جائے گی۔ اور غذائی بحران ملک کو تباہ کردے گا۔ اسی طرح خانگی زندگی میں اگر باپ کی شفقت کسی ایک لڑکے کو نوازشوں کا محور بنالے تو یہ بڑھی ہوئی شفقت بھی نظام خانہ داری کو تباہ کردے گی۔ لہٰذا شفقت اور رحمت کے ساتھ توازن بھی ضروری ہے ——

اس حقیقت کے منکشف ہونے کے بعد کہ شہریت اور اجتماعیت کا مدار ان تین صفات پر ہے۔ تربیت، رحمت اور توازن۔ اب آپ قرآن حکیم کا مطالعہ شروع کیجئے۔

انس و محبت اور تربیت و رحمت الٰہی کی روشنی میں

قرآن حکیم کا آغاز ان پرشوکت الفاظ سے ہوتا ہے :-

الحمد للہ رب العٰلمین الرحمٰن الرحیم مالک یوم الدین

انسانیت کاملہ کے دستور اساسی کی سب سے پہلی سطر میں اللہ تعالیٰ کی یہ تین صفات (۱) رب العٰلمین (۲) الرحمٰن الرحیم (۳) مالک یوم الدین ہمیں ناقابل فراموش سبق دیتی ہیں۔ یہ تین صفات وہ حدود معین کر دیتی ہیں جن میں انسانیت کاملہ اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا مظہر ہو گی۔

یعنی انسانیت کاملہ یہ ہے کہ شوق تربیت اور جذبۂ رحمت کے فوارے اس کی نس نس سے ابل رہے ہیں۔ اور عدل و مساوات کا ایک نگراں، جذبہ اور شوق کو اپنے کنٹرول میں رکھتے ہوئے صحیح توازن برقرار رکھے۔ ایسا نہ ہو کہ رحم و کرم کی غیر معتدل ترحمی یا جذبہ و شوق کی جرائت رندانہ مدنیت کا مزاج بگاڑ دے

صفات خداوندی کا ظہور

انسانوں کی شہری اور اجتماعی زندگی میں اللہ تعالیٰ کی ان صفات کا ظہور "خلیفۃ اللہ" یعنی انسان کے ذریعہ کس طرح ہونا چاہیئے۔ اور قرآن حکیم نے اس کی تعلیم کس طرح دی ہے۔ یہ بہت طویل بحث ہے۔ جس کی گنجائش ان صفحات میں نہیں مگر اس ذکر کو چھیڑنے کے بعد قطعاً خاموشی بھی مناسب نہیں۔ چند اشارات پیش کئے جا رہے ہیں۔

تربیت:

تربیت انفرادی فرض بھی ہے۔ مثلاً ماں باپ، صفت تربیت میں مربی حقیقی یعنی رب العالمین کا مظہر ہوا کرتے ہیں اسی لئے ان کو خالق مجازی اور رب مجازی کہا جاتا ہے۔ اور غالباً یہی سبب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کلام مبارک میں ماں باپ کا ذکر اپنے نام کے ساتھ فرمایا۔

ارشاد ہوا۔

وقضی ربک ان تعبدوا الا ایاہ وبالوالدین احساناً

ایک دوسرے مقام پر صراحتاً ربوبیت کی صفت والدین کی طرف منسوب کی گئی۔ چنانچہ ارشاد باری ہے۔

وقل رب ارحمھما کما ربیانی صغیرا۔"

لیکن تربیت کی شان دار شکل یہ ہے کہ نظام اجتماعی (حکومت) اس کو اپنا نصب العین بنائے اور اس کے جان آفرین قوانین ہر ایک باشندۂ ملک کیلئے مادی، اخلاقی اور روحانی تربیت کے ذمہ دار ہوں۔ آج مسلمانوں کی اسٹیٹ بہت سی ہیں۔ مگر بدقسمتی کی انتہا ہے کہ کوئی ایک بھی اس قابل نہیں کہ وہ "اسلامی اسٹیٹ" کی حیثیت سے بطور نمونہ پیش کی جاسکے۔ کسی ایک کو بھی یہ توفیق نہیں کہ اپنے اقتصادی سیاسی۔ اور مسائل کو قرآن پاک کے اصول پر حل کرے یا حل کرنے کی کوشش کرے۔ لیکن قرآن پاک کے اصول پر جو اقتصادی نظام قائم کیا جائے گا اس کے تصور کے لئے قرآن پاک کی صرف ایک آیت کا مطالعہ کافی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے۔

الذین یکنزون الذھب والفضۃ ولا ینفقونھا فی سبیل اللہ فبشرھم بعذاب الیم۔

وہ لوگ جو سونے اور چاندی کا کنز کرتے ہیں اور اس کو اللہ کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو دردناک عذاب کی خبر سنادو۔

یوم یحمی علیھا فی نار جھنم فتکوی بھا جباھھم وجنوبھم وظھورھم ھذا ما کنزتم لانفسکم فذوقوا ما کنتم تکنزون۔"

جس دن چاندی اور سونے کے کنز کو آتش جہنم میں تپایا جائے گا۔ پھر اس سے ان کی پیشانیاں، ان کے پہلوؤں اور ان کی پیٹھیں داغی جائیں گی۔ کہ وہ ہے یہ جس کو تم نے اپنے لئے کنز بنا کر رکھا تھا۔ پس چکھو اپنی کنز کو۔

کنز اور اکتناز کی مذمت آج عام طور پر ذہنوں میں رچ گئی ہے لیکن اس وقت کہ سرمایہ کو خدا کی رحمت اور جاگیردار کو خدا کا سایہ تصور کیا جاتا تھا۔ جس نے کنز و اکتناز کو لعنت قرار دیا۔ سرمایہ دار کے لئے آگ کی سلاخیں اور نار جہنم تجویز کی وہ صرف قرآن حکیم ہے۔

یہ درست ہے کہ احادیث صحیحہ میں اس کنز کو لعنت سے مستثنیٰ کر دیا گیا ہے جس کی زکوٰۃ ادا کر دی گئی ہو۔ مگر یہ استثنا اس وقت تک ہے جب تک تربیت عامہ کا مقصد "زکوٰۃ" اور "صدقات واجبہ" سے پورا ہوتا ہے۔ لیکن افلاس کی وبا اگر اس علاج سے ختم نہ ہو یا تعمیر و حفاظت ملک قوم کی ضرورتیں زکوٰۃ سے زیادہ مطالبہ کریں تو سرمایہ دار کو ہر وہ ٹیکس (جزیہ) ادا کرنا ہوگا جو "شوریٰ" طے کر دے۔

اگر سرمایہ دار خوشی سے ادا کر دے تو قرآن پاک کے الفاظ میں یہ "قرض حسن" ہوگا۔ جو اضعافاً مضاعفۃ (کئی گنا اضافہ کے ساتھ) اس کو "حیات حقیقی" میں ادا کیا جائے گا۔ اگر سرمایہ دار اس زائد ٹیکس کو خوشی سے ادا نہ کرے تو خلیفہ کو حق ہوگا کہ وہ جبراً وصول کرے۔

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف فرما تھے۔ قبیلہ مضر کے کچھ لوگ آئے۔ پا برہنہ بدن پر کھال لپٹی ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا رخ انور ان کی یہ حالت دیکھ کر سرخ ہو گیا۔ آپ نے ایک طویل تقریر کی

فرمائی۔ اس تمام تقریر کے نقل کرنے کی گنجائش نہیں ہمارے محترم مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اپنی مشہور تصنیف ـــــ "اسلام کا اقتصادی نظام" میں اس پوری تقریر کو مسلم شریف کے حوالہ سے نقل فرما چکے ہیں۔

بخاری شریف کی روایت میں ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آخر میں ارشاد فرمایا۔

اتقوا النار ولو بتمرۃ ولو بشق تمرۃ

یہ سب حضرات جن کو آتش جہنم سے ڈرایا جا رہا تھا۔ منکر زکوٰۃ ادا کرنے والے تھے۔ لیکن اگر ملک کا کوئی ایک گروہ بھی فاقہ میں مبتلا ہے تو یہ زکوٰۃ "حرز نار" نہیں بن سکتی۔

علامہ ابن حزم اندلسی اس کی تائید میں قرآن پاک کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وآت ذا القربیٰ حقہ والمسکین وابن السبیل۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے:

ان اللہ تعالیٰ فرض علی الاغنیاء فی اموالھم بقدر ما یکفی فقراءھم فان جاعوا او عروا او جھدوا فبمنع الاغنیاء (محلی)

(وغیر ذالک من الدلائل)

(اقتصادی نظام ص۱۴۲)

تربیت کی دوسری قسم

یعنی اخلاقی اور روحانی تربیت۔ اس کے لئے مجملاً یہ ارشاد کافی ہے کہ

اللہ تعالیٰ نے تعظیم و احترام کا معیار "تقویٰ" قرار دیا ہے ارشاد ربانی ہے۔

"ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم"

اللہ کے یہاں ان کی عزت زیادہ ہے جن کا تقویٰ زیادہ ہے۔

علم ــــ عمل بالعلم ــ اور تزکیۂ نفس ــ تقویٰ کی بنیادیں ہیں ــــ جب تک خلفاء کا انتخاب اس اصول پر ہوتا رہا دنیا خلافت راشدہ کی نعمتوں سے ہم کنار ہوتی رہی۔ آپ بھی اس اصول کو انتخاب کا معیار بنا لیجئے۔ پھر ملاحظہ فرمائیے کہ اخلاقی و روحانی اصلاح و تربیت کا بازار کتنا تیزی سے گرم ہوتا ہے بد نیت ہے کہ بہت سے وہ بھی ہوں گے جو تقویٰ و طہارت کی نمائش کرکے اپنی ذاتی اغراض پورے کریں گے۔ لیکن اس ماحول میں زیادہ تعداد ان نیک نفس سیدھے سادے انسانوں کی ہوگی جو اس ماحول سے متاثر ہو کر نیکے اور سچے خادم خلق اور ولی اللہ بن جائیں گے۔

رحمت :-

یہ دوسرا باب ہے جس میں نظام انسانیت کو ارحم الرحمین کا پرتو اور مظہر ہونا چاہیئے۔

تربیت کے ساتھ آپ رحمت بھی ملا دیجئے پھر دیکھئے انسانیت کس طرح سراسر رحمت شفقت اور محبت بن جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ خود اپنی شان بیان فرماتے ہیں۔

رحمتی وسعت کل شئ

میری رحمت نے ہر چیز کو گھیر لیا ہے۔

بس آپ کا بھی رحم و کرم قہر و غضب سے بڑھا ہوا رہنا چاہیئے۔ آپ کی شان اللہ تعالیٰ نے تجویز فرمائی ہے۔

عباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ہوناً واذا خاطبھم الجاھلون قالوا سلاما۔

رحمٰن کے بندے جو زمین پر چلتے ہیں۔ نرمی (اور فروتنی سے)
اور جب ان سے خطاب کرتے ہیں نادان تو یہ کہہ دیتے ہیں صاحب
سلامت (نادانی کا جواب پوری سلامت روی سے دیتے ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔

ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء

زمین والوں پر رحم کرو تم پر آسمان والا رحم کرے گا۔

بیشک یہ بھی قانون ہے کہ۔ جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا (برائی کے بدلہ برائی ہے جو اسی جیسی ہو۔) مگر اس طرح برائی مٹ نہیں سکتی۔ مومن کا فرض منصبی ہے برائی مٹانا۔ لہذا برائی کا جواب اس کو اپنے ڈھنگ سے دینا چاہیئے کہ برائی ختم ہو۔ عداوت کی جگہ دوستی۔ اور نفرت کے بجائے گرمی محبت پیدا ہو۔ فرمان الٰہی ہے

ادفع بالتی ھی احسن فاذا الذی بینک وبینہ عداوۃ کانہ ولی حمیم۔

ایسی صورت سے جواب دو جو بہت ہی حسین اور بہتر ہو تو دیکھو گے کہ جس سے دشمنی تھی وہ ایسا ہو جائے گا جیسے کوئی سرگرم محبت دوست ہو۔

مگر یہ نکتہ فراموش نہ ہونا چاہیئے کہ ظالم پر رحم کرنا رحم نہیں بلکہ ظلم ہے بقول

نکوئی با بداں کردن چناں است
کہ بد کردن بجائے نیک مرداں

مظلوم پر رحم کرتے ہوئے اگر آپ کو ظالم کے ہاتھ کاٹنے پڑیں۔ یا اس کی گردن اڑانی پڑے یا ظلم کی طاقتوں سے ٹکرانا پڑے۔ تو یہ سب رحم ہی ہے

اس کو ظلم نہیں کہا جا سکتا۔ کیونکہ اگرچہ چند جانوں کو اذیت پہنچ رہی ہے۔ مگر رب العالمین اور ارحم الراحمین کی بے شمار مخلوق آپ کی شکرگزار اور احسان مند ہو رہی ہے۔ اسلامی تعزیرات، حدود و قصاص اور جہاد کی حقیقی روح اور سچی اسپرٹ یہی ہے۔ قومی، نسلی یا طبقاتی برتری کے لئے جو جنگ کی جائے اس کو جہاد کہنا جہاد کی توہین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ قصص میں فرعون اور قارون یعنی ایک شہنشاہ اور دوسرے سرمایہ دار کا ذکر کر کے آخر میں فرمایا کہ

تلک الدار الآخرۃ نجعلہا للذین لا یریدون علواً فی الارض ولا فساداً

وہ دار آخرت ہم اس کو انسان کے لئے مخصوص کریں گے جو ملک میں اپنا جاہ و جلال نہیں چاہتے اور نہ بگاڑ اور فساد چاہتے ہیں۔

دورِ حاضر کی سیاست دولتِ امن و اطمینان سے کیوں محروم ہے

ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ ملوکیت پوری دنیا سے ختم ہو گئی۔ جاگیرداری کی بوسیدہ دیواریں گر رہی ہیں۔ سرمایہ داری کا چراغ گل ہو رہا ہے۔ جمہوریت کا دور دورہ ہے عوامی حکومت کا ستارہ بلند ہو رہا ہے۔ سامراج کے محلوں پر پنچایتی راج کے جھنڈے لہرا رہے ہیں۔ پھر کیا بات ہے کہ دولت امن مفقود ہے۔ عوام کی بے چینی بحال ہے۔ بلکہ کچھ زائد ہے۔ فارغ البالی، اطمینان اور خوش حالی کے وہ خواب جو انقلاب سے پہلے دیکھے جاتے تھے، شرمندہ تعبیر کیوں نہیں ہو رہے ہیں؟

یہ سوال ہر ایک سمجھ دار کے سامنے ہے۔ اس کے جواب بھی بار بار

پریس کانفرنسوں یا اخبارات کے ذریعے دیئے جاتے ہیں۔ لیکن قرآن حکیم کی تعلیمات پر اگر ہم غور کریں تو اس ناکامی کے دو سبب ہیں۔ اور جس قدر غور کیا جائے یہی ثابت ہوگا کہ ناکامی کے اصل سبب یہی ہیں۔

پہلا سبب یہ ہے کہ ملوکیت اور جاگیرداری اگرچہ ختم ہوگئی۔ مگر لوازم ملوکیت ابھی ختم نہیں ہوئے۔ وہ اصل خرابی جس کی بنا پر ملوکیت جاگیرداری اور سرمایہ دارانہ نظام کی مذمت کی جاتی ہے وہ وہ ہے جس کو قرآن حکیم نے اتراف اور فیلسوف اسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی نے "رفاہیت بالغہ" یعنی شاہانہ تکلفات اور عیش پرستی، مثلاً بیش قیمت لباس۔ بیش قیمت فرنیچر عالیشان بلڈنگیں، گراں بہا سامان تکلفات رقص وسرود اور شراب وکباب۔

یہ چیزیں ہیں جو اقتصادی نظام کو درہم برہم کرتی ہیں۔ اونچے طبقہ کے آدمی جب ان تعیشات میں مبتلا ہوتے ہیں تو چھوٹے آدمی لامحالہ ان کے نقش قدم پر چل کر اپنی زندگی کو اسی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے پریشانیوں اور بے اطمینانی میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور اگر ان کی طبیعت میں دنارت اور خباثت ہوتی ہے تو رشوت قمار، ڈاکہ اور چوری کے ذریعہ رقمیں اینٹھتے ہیں۔ اور شاہانہ زندگی کے تکلفات پورے کرتے ہیں۔

اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ ملوکیت کے خاتمہ سے پہلے لوازم ملوکیت ختم کئے جائیں کیوں کہ اقتصادی بحران اور عوام کی تباہ حالی کی اصل بنیاد یہ نہیں ہے کہ ملک کا کوئی ایک شخص بادشاہ کہلاتا ہے۔ بلکہ اقتصادی بحران کی اصل چیز یہ عیش پرستی نزاکت آفرین زینت وزیبائش اور امیرانہ ٹھاٹ اور شاہانہ تکلفات ہیں۔

معیار زندگی کی بلندی یا مساوات

اصلاحی تجاویز میں سب سے زیادہ دلفریب تجویز یہ ہے کہ "معیار

زندگی بلند کیا جائے"

بیشک اگر ملک کی قوت پیداوار اجازت دے تو نصب العین یہی ہونا چاہیئے کہ عوام کا معیار زندگی بلند ہو۔ مگر یہ نصب العین کیا اس صورت سے پورا ہوسکتا ہے کہ دولت مند اور خوش حال طبقہ عیش پرستی کی ہر ایک رسم ادا کرتا رہے اور اس کے نزاکت آفریں تکلفات اور بدمستانہ رنگ رلیوں میں کوئی فرق نہ آسکے یا اس نصب العین کو کامیاب بنانے کے لئے پہلی شرط یہ ہے کہ پورے ملک کا معیار زندگی مساوی کیا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ جب تک خوش حال اور دولت مند طبقہ عیش وعشرت کے نرم غالیچوں اور راحت آفریں مسندوں کو چھوڑنے اور مساوات و یکسانیت کے کھردرے فرش پر آرام کرنے کے لئے تیار نہ ہو۔ معیار زندگی بلند کرنے کی تجویز ایک فریب ہے۔ جس کا مقصد اس کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا کہ عوام کو اس طرح تھپک تھپک کر اپنی تن آسانی کی جائے اور جسم پروری کے ناسور پر ترقی پسندی کا نقاب ڈالا جائے۔ اور ملک کے بدحال طبقہ کو اصل مرض سے غافل رکھ کر اپنی سیادت وقیادت کا جھنڈا خود عوام کے ہاتھوں بلند کرایا جائے۔

حقیقت یہ ہے کہ عوام کا معیار زندگی اسی وقت بلند ہوسکتا ہے۔ جب اہل ثروت اور ارباب حکومت پہلے معیار زندگی کو مساوی کردیں اور وہ شاہانہ تکلفات اور عیش پرستانہ آداب و مراسم یک قلم ختم کردیں۔ جن کی وجہ سے ملوکیت اور سرمایہ داری عوام کے لئے مصیبت اور لعنت بن جاتی ہیں۔ بس مرض اصل علاج یہ نہیں کہ معیار زندگی مساوی کیا جائے۔

قرآن حکیم احادیث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم صحابہ کرام اور اسلاف صالحین کی زندگی پر نظر ڈالو وہ لوازم ملوکیت پر لعنت بھیج کر کس طرح مساوی

زندگی کی مقدس سطح اختیار کر رہے ہیں۔

دورِ حاضر کی سیاست اس لئے دولت اطمینان سے محروم ہے کہ وہ ملوکیت و سرمایہ داری پر لعنت تو بھیج رہی ہے۔ مگر اس کی روح کو فنا کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ بلکہ معیارِ زندگی کو بلند کرنے کا نعرہ لگا کر اور اس پردہ میں لوازم ملوکیت، باقی رکھ کر روح ملوکیت کو اور تازہ کر رہی ہے۔

موجودہ تباہ حالی اور اضطراب و بےچینی کا دوسرا سبب جو پہلے سبب سے بھی زیادہ اہمیت رکھتا ہے یہ ہے کہ جن ہاتھوں میں جمہوریت کی باگ ڈور ہے ان کے دل "فکرِ احتساب" سے بے نیاز ہیں۔ وہ محاسبہ کا اختیار صرف عوام کو دیتے ہیں۔ جن کو فریب دینے کے طریقے وہ پہلے سیکھ لیتے ہیں۔ لہٰذا ان کے کام زیادہ تر نمائشی ہوتے ہیں۔ تاکہ رائے عامہ ان کے حق میں رہے۔ اور اس نازک وقت میں جبکہ ہر ایک مہذب۔ اقتدار پسند ووٹوں کی بھیک مانگنے کیلئے عوام کے دروازوں پر جائے تو ان کے پاس چند نمائشی کارناموں کی سند موجود ہو۔

یہ تصور کہ مادیات سے بلند و بالا ایک ایسا عالم الغیب بھی ہے جو اس کے ہر ایک فعل ہر ایک عمل اور ہر ایک حرکت و سکون کا نگراں ہے۔ جو اس کے دل و دماغ قلبی رجحانات اور ان جذبات کی بھی کڑی نگرانی رکھتا ہے۔ جو دل کے گوشوں میں اندر ہی اندر ابھرتے ہیں۔ اور جب امن عالم اور جمہوری مفاد کا نظر فریب چلمن ڈال کر سامنے آتے ہیں تو طوفان برپا کر دیتے ہیں۔ جس کے سامنے نہ خانہ راز و نیاز کے دھندلکے بھی ایسے ہی روشن ہیں جیسے کسی تماشاگاہ کے جگمگاتے ہوئے اسٹیج کے نظارے۔ جو کیبنٹ میٹنگ اور پارٹی میٹنگ کی پراسرار تجویزوں کو بھی ایسے ہی جانتا ہے جیسے پلیٹ فارم کی بلند بانگ تقریروں اور جلوس کے فلک شگاف نعروں سے واقف ہوتا ہے۔

اور یہ خوف کہ اس عالم الغیب کے سامنے ہمیں اپنے تمام افعال واعمال کا جواب دینا ہے اور یہ اندیشہ کہ وہ "واقف اسرار" ہمارے خیالات و جذبات کا بھی محاسبہ کرے گا۔ اور ہمیں اپنے عمل اور کردار کی پاداش بھگتنی ہو گی۔

دور حاضر کی سیاست کے ارباب اقتدار چونکہ اس عقیدہ ہی کو عہد قدیم کی دقیانوسی یادگار تصور کرتے ہیں۔ لہذا بارگاہ عالم الغیب میں جواب دینے اور محاسبہ کے خوف سے (جس کو اصطلاح شریعت میں "تقوی" کہا جاتا ہے) ان کا دل و دماغ نا آشنا ہے۔ اس لئے جو فعل ہوتا ہے وہ بیشتر نمائشی۔ یہاں تک کہ عوام کے اس یقین کی تردید نہیں کی جا سکتی کہ ان ارباب اقتدار کی کوششیں زیادہ تر اس لئے ہوتی ہیں کہ ان کی قیادت باقی رہے۔ اور جو کرسی ان کو مل گئی ہے اس کو خطرہ نہ لاحق ہو سکے۔

شاذو نادر کچھ افراد ایسے ہیں جن کے دلوں میں انسانیت کا درد ہے اور یہ تسلیم کیا جا سکتا ہے کہ محض نمائش کے لئے نہیں۔ بلکہ نوع انسان کی فلاح و بہبود کا ذریعہ سمجھ کر وہ اصول جمہوریت تسلیم کرتے ہیں۔ اور سچائی سے ان پر عمل کرتے ہیں۔

ایسے افراد کا عمل اور کردار غرض اور ذاتی مفاد کی آلائش سے پاک ہو سکتا ہے۔ مگر وہ تڑپ جو فاروق اعظمؓ کی طرح ان پر راحت و آرام حرام کر دے وہ رات کی میٹھی نیند چھوڑ کر شہر کی گلیوں اور کوچوں میں گشت کرتے پھریں کہ اگر کوئی مریض درد سے کراہ رہا ہے تو اس کے علاج کی کیا صورت ہو۔ اگر کسی بیوہ کے بچے فاقہ سے تڑپ رہے ہیں۔ تو ان کا پیٹ کس طرح بھرا جائے۔ اگر کوئی لاوارث اندھی بڑھیا اپنا کام نہیں کر سکتی تو اس کی خدمت کی کیا شکل ہو۔ یہ تڑپ جو ہارون الرشید جیسے بادشاہ شب بیداری اور رات کے

گشت پر مجبور کرتی ہے۔ جو محمد بن تغلق جیسے فاتح کو آمادہ کرے کہ وہ ہندو مدعی کے جواب دعوے کے لئے قاضی کی عدالت میں حاضر ہو۔ اور اگر قاضی کا فیصلہ ہو کہ محمد بن تغلق نے مدعی کو بلا سبب مارا ہے۔ لہٰذا مدعی سے معافی مانگے ورنہ قصاص ادا کرے۔ تو محمد بن تغلق قصاص کے لئے نہ صرف آمادہ ہو جاتے ہیں بلکہ بقول ابن بطوطہ :۔

مدعی کے سامنے اپنے آپ کو پیش کر دے اور جس طرح بادشاہ نے مدعی کو مارا تھا۔ ایسے ہی مدعی بادشاہ کے بید لگائے یہاں تک کہ بادشاہ کی کلاہ بھی سر سے گر جائے۔

وہ تڑپ جو جہاں گیر جیسے بدنام بادشاہ کے دل میں تھی۔ ایک دفعہ ایسی دھڑکن پیدا کر دے کہ وہ قاضی کی عدالت میں حاضر ہو کر دعوے قتل کی جواب دہی کرے اور جب ایک گستاخ نوجوان کے قتل ناحق کا جرم ثابت ہو جائے تو قاضی کے فیصلۂ قتل پر تصدیق کے دستخط ثبت کرے اور حکم صادر کرے کہ ملکہ نور جہاں کو کشاں کشاں قتل گاہ میں پہنچا دیا جائے۔ اور جب قانون شریعت کے مطابق اولیاء مقتول کے معاف کر دینے سے نور جہاں کی جان بخشی ہو جائے تو حسرت اور مسرت کے لہجہ میں بارگاہ حسن میں یہ عرض کرے۔

"اگر تو کشتہ شدی من بیچارہ چہ کردی"

بہر حال یہ اضطراب اور یہ تڑپ اس وقت پیدا نہیں ہو سکتی۔ جب تک ارباب اقتدار مالک حقیقی اور خالق کائنات کو محاسب اور نگراں مان کر اس کا خوف دل میں پیدا نہ کریں۔

یہی وہ تقوی ہے جو دن کے شہسواروں کو رات کا راہب اور انقلاب انگیز فاتح کو کمزور مظلوموں کے لئے پیکر راحت بناتا ہے۔ قرآن حکیم عظمت و اقتدار کی

کنجی انھیں کے حوالہ کرتا ہے۔ اور جو تقویٰ میں پیش پیش ہوں انھیں کو سیاست میں سب سے آگے دیکھنا چاہتا ہے۔

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم۔

کاش ہم یہ سبق یاد کرلیں۔ اور اسی مقدس نصب العین کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردیں۔

والحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ سید المرسلین وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین۔

اسلامی نظم معیشت

از جناب ڈاکٹر محمد یوسف الدین
(ریڈر شعبۂ مذہب و ثقافت عثمانیہ یونیورسٹی حیدر آباد)

حضرات!

انسان کی دنیاوی زندگی میں معاشیات کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے نہ پرانے زمانوں میں انکار تھا اور نہ آج ہے۔ اہل دنیا تو اس کے معتقد ہیں ہی۔ اہل دین کو بھی اس سے انکار نہیں۔

اس ہمہ گیر تسلیم کے باوجود دنیا کی تمام کشمکشوں کی جڑ بھی معاشی ہی قرار دی جاتی ہے۔ وجہ بھی ظاہر ہے۔ اگر معاش اچھے اصول پر حاصل ہو تو سب ہی امن اور چین سے رہیں۔ بُرے اصول پر بٹے تو ہر کوئی بلا میں پھنستا ہے۔ اسی بنا پر نہایت قدیم زمانہ سے ہر تمدن اور ہر مذہب نے کچھ معاشی اصول اور نظریئے اپنے پیرؤں پر عائد کرنے کی کوشش کی اور اپنے مقصد میں کسی کو کم اور کسی کو زیادہ کامیابی ہوئی۔

موجودہ زمانہ میں حریفوں میں انضمام اور جتھا بندی ہوتے ہوئے صرف دو بڑے کیمپ ہو چلے ہیں۔ ایک طرف سرمایہ داری ہے اور دوسری طرف اشتراکیت۔ دونوں ہی میں انتہا پسندیاں ہیں۔ ایک درمیانی راستہ کے بغیر

اس شعبہ حیات میں بھی انسان کو امن چین حاصل نہیں ہو سکتا۔
HISTORY REPEATS ITSELF. تاریخ اپنے آپ
کو دہراتی ہے۔ اب سے چودہ سو سال پہلے بھی دنیا کو ایران کے مزدک کی
اشتراکیت اور ما بقی اہل قدرت کی سرمایہ داری میں ایک شدید کشمکش نظر
آتی تھی۔ اور فاران کے نور نے اس اندھی کشاکش سے نجات کا راستہ دکھایا تھا
آج ایران کے مزدک کی جگہ جرمنی کے کارل مارکس کے آجانے سے چاہے نام
بدلے کام میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ مزدک کی اشتراکیت بھی عجیب تھی اس نے
عورتوں تک کو مشترکہ ملک COMMON PROPERTY قرار دیا تھا۔
غرض وسیع نظر ڈالیں تو دنیا کی موجودہ دشواریاں بڑی حد تک مغربی
اصول معاشیات سرمایہ داری، سود خواری اور اشتراکیت کے تصادم اور کشمکش
کے نتائج ہیں۔ اسلامی اصول معاشیات نے جب تک کہ وہ برسر عمل رہے ایک
معتدل اور محفوظ راہ عمل دکھائی تھی۔ یہ ایک عجیب و غریب مظاہرہ ہے کہ
مغرب کا علم معاشیات اپنے تقریباً ہزار سالہ مسلسل ترقی وارتقا اور بزعم خود
اوج کمال پر پہونچنے کے بعد اور چند بنیادی اور اہم ترین و دوررس معاملوں
میں جن پر ایک طرح سے پورا علم معاشیات مبنی ہے بہت کچھ ٹھٹکنے کے لیے۔ آج
سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے کے پیش کئے ہوئے اسلام کے معاشی نظریوں
کی پیروی اور تقلید کی طرف کھنچا چلا آرہا ہے۔ مثلاً اسلام نے سود کی قطعاً
ممانعت کی تھی۔ گذشتہ صدی تک مغرب میں سود کا اس درجہ زور رہا کہ سود
خواری اور معاشی ترقی دونوں لازم و ملزوم ہو گئے تھے جسے دیکھ دیکھ کر
راسخ العقیدہ مسلمانوں کے قدم بھی ڈگمگانے لگے تھے۔ لیکن معاشیات کے
بڑے ماہر اور نامور لارڈ کینز آنجہانی نے بتا دیا کہ سود ہی معاشرہ کی ترقی میں

سدراہ ہے۔

دوسری بڑی جنگ کے بعد خوش قسمتی سے ہندوستان بھی آزاد ہوگیا اور دوسرے ایشیائی ملکوں میں بھی آزادی کی ایک کشمکش ہے۔ مراکش سے لیکر انڈونیشیا تک پوری اسلامی دنیا میں زندگی کی ایک لہر دوڑ گئی ہے۔ اب ہمارے لئے ضروری ہے کہ ہم ایشیائی ملکوں کی قدیم معاشی تاریخ کا بھی جائزہ لیں۔

آج زمیندار اور کاشتکار یا دولت مند اور غریب طبقہ میں جو کشمکش نظر آتی ہے وہ کچھ نئی نہیں ہے۔ اسلام سے قبل عرب کے ایک علاقہ طائف کے معاشی حالات پڑھو تو معلوم ہوگا کہ اس قدیم زمانہ میں بھی وہاں زمیندار اور کاشتکاروں میں سخت کشمکش ہوتی تھی جیسا کہ آج تلنگانہ میں جاری ہے۔ اور وہاں بالآخر کاشتکاروں نے زمینداروں پر غلبہ حاصل کر لیا اور طائف کی زمینوں سے ان کو بے دخل کر دیا تھا۔

اسی طرح یونانی مورخ اور سیاح اسٹرابر نے یمن کے قدیم باشندوں کے متعلق ایک انوکھی بات لکھی ہے جو ہمارے لئے باعث دلچسپی ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ یمن اور ان کے قدیم عربوں میں اشتراکیت کا رواج تھا اور تمام مال و اسباب مشترکہ ملک سمجھا جاتا تھا۔ اس سلسلہ میں اسٹرابر لکھتا ہے کہ عورت بھی ان کے پاس مشترکہ ہوتی تھی۔ اور تمام بھائی مل کر ایک عورت سے شادی کرتے تھے۔ جب کوئی اس عورت کے پاس جاتا تو دروازہ پر اپنا عصا چھوڑ جاتا۔ اور بڑے بھائی کے لئے شب مخصوص تھی اور وہ ان کا سردار سمجھا جاتا تھا۔

اسی طرح اسلام سے قبل شہری مملکت مکہ میں قصی بن کلاب جو کہ

کے سردار تھے لوگوں سے رضاکارانہ طور پر محصول وصول کرتے تھے آج بھی
بعض حضرات کے خیال میں ٹیکس کا بہترین طریقہ یہ ہے کہ ہر شخص کو اس کی مرضی
پر چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ خود بھی اپنی مرضی کے مطابق محصول ادا کرے گو یہ
محض خیالی اور ناقابل عمل تجویز ہے۔ تاہم گذشتہ زمانہ میں کم و بیش اسی
قسم کا ایک طریقہ متعدد چھوٹی چھوٹی شہری مملکتوں CITY STATES
میں مروج تھا۔ ہامبرگ۔ زورچ اور بال کی ریاستیں ایک زمانہ میں آمدنی کا
کثیر ترین حصہ رعایا کی ذاتی امداد سے جو برضا و رغبت دی جاتی تھی حاصل کرتی
تھیں۔ اس طریقہ کی کامیابی کا مدار اس بات پر ہے کہ لوگ جمہوری طریقہ حکومت
کی محبت میں سرشار ہوں۔ غرض جس طرح یورپی ملکوں کی معاشی تاریخ کا
مطالعہ ضروری ہے اسی طرح ہمیں اس بات کی بھی ضرورت محسوس ہو رہی ہے
کہ ایشیائی ملکوں کی دلچسپ معاشی تاریخ کا بھی ہم مطالعہ کریں۔

عطیات قدرت سے

آج ہی نہیں بلکہ تاریخ کے نامعلوم
زمانہ سے انسان اس سوال کے حل میں
مصروف ہے کہ معاشی مشکلات کا اگر بالکلیہ خاتمہ نہ ہو سکے تو کم از کم ممکنہ حد
تک ان دشواریوں میں کیا آسانیاں پیدا کی جا سکتی ہیں۔؟ مختلف قوموں نے
مختلف زمانوں میں اس کے مختلف حل پیش کئے ہیں۔ اور آج تک دنیا اسی
ادھیڑ بن میں لگی ہوئی ہے۔ مذہب کا ایک نقطہ نظر تو یہ ہے کہ اپنی زندگی کی
مثالوں سے آدمی دنیا کی جس جس چیز کو اپنے لئے بے کار ثابت کرے اسی قدر
مذہبی کمال ہے۔ کھانے، پینے، اوڑھنے اور پہننے کی چیزیں تو درکنار، ہوا جس
میں سانس لی جاتی ہے۔ حبس دم وغیرہ کی مشقتوں سے حواس تک کو بے کار
قرار دے وہی سب سے زیادہ کامل انسان ہے۔ انجیل والے تو تمام دنیا میں

منادی کرتے پھرتے ہیں کہ "دولت مند کا آسمانی بادشاہت میں داخل ہونا مشکل ہے۔ اونٹ کا سوئی کے ناکے سے گذر جانا اس سے آسان ہے کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہو" اور جب کلیسائی سدھار ہوا تب بھی ان میں کوئی فرق پیدا نہ ہوا کہ خود سدھار کے بانی لوتھر کے نزدیک معیشت کی حیثیت کچھ زیادہ بلند نہ تھی۔ ایک جگہ کہتا ہے کہ

"اللہ میاں معمولاً دولت انہیں ٹھیٹ گدھوں کو دیتے ہیں جنہیں وہ کچھ اور ارزانی نہیں فرماتے"

(معاشیات مقصود و منہاج از ڈاکٹر ذاکر حسین خانصاحب)

دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان مادہ پرست اور خون خوار درندہ ہو جائے کہ حق سب میرا ہے اور فریضہ مجھ پر کچھ بھی عائد نہیں۔

ان دونوں انتہا پسندیوں کے بین بین ایک اور نقطہ نظر یہ ہے کہ انسان تو خدا کے لئے ہو لیکن خدا کی پیدا کی ہوئی ہر چیز انسان کی خدمت گذار ہو۔ چنانچہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے جس قدر اس کی ایک ایک چیز کو انسانیت کے لئے مفید ثابت کیا جائے اسی قدر آسمانی کتاب کی صداقت واضح ہوتی ہے چنانچہ قرآن مجید جس مذہب کو پیش کرتا ہے وہ کھلے لفظوں میں اپنے ماننے والوں پر یہ فریضہ عائد کرتا ہے کہ زمین اور زمین میں جو کچھ ہے جب تک اس کے ہر ہر چیز سے متعلق یہ تحقیقات نہ کر لیں کہ وہ انسان کی کسی نہ کسی ضرورت میں کام آتی ہے ان کی آسمانی کتاب کی تفسیر مکمل نہیں ہو سکتی۔ اور زمین ہی کیا قرآن پاک پڑھتے جائیے وہ پڑھتا ہی چلا جائے گا اور ہر وہ چیز جن پر قبضہ و تسلط کا آدمی خواہش مند ہے وہ اس کے قدموں پر ڈالتا چلا جائے گا۔ اور اس سلسلے کی ہمہ گیری اور وسعت داماں کی آخری حد یہ ہے کہ:-

سخر لکم ما فی السمٰوٰت وما فی الارض

اور تمہارے ہی لئے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے مسخر کیا گیا۔

آیات بالا کے ذریعہ سے تو اس نے زمین ہی کو کیا عالم محسوس کے پورے نظام کو انسانی خواہشات کی خوراک بنا کر اس کے سامنے رکھ دیا ہے کہ زمین بھی تیری ہے۔ آسمان بھی تیرا ہے، ہوا بھی تیری ہے، پانی بھی تیرا ہے چاند بھی تیرا ہے، سورج بھی تیرا ہے، تارے بھی تیرے ہیں۔ کہ :-

سخر لکم الشمس والقمر

آفتاب اور ماہتاب کو تمہارے لئے مسخر کیا۔

غرض عطیات قدرت سے استفادہ کی تعلیم پر اسلامی معاشیات سے زیادہ زور دیتی ہے۔

ہر انسان اپنے اندر ان گنت آرزوں اور تمناؤں کا ایک سمندر لے کر پیدا ہوتا ہے۔ لبظاہر خود انسان کا قصور نہیں بلکہ جس نے اس کی فطرت بنائی ہے اسی نے ان چیزوں کو اس کی فطرت کے سامنے بنا سوار کر پیش کیا ہے گویا ان اشیاء کی خواہش بھی فطری ہے۔ ان ہی تمناؤں اور آرزوں کو پورا کرنے کے لئے آدمی مال و دولت کا دلدادہ بنا ہے غرض معیار زندگی STANDARD OF LIVING کی برتراری اور استواری کے لئے ہر شخص بپیدائش دولت کی فکر میں سرگرداں ہے۔ اسلامی معاشیات نے اس سرگردانی کو جائز قرار دیا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ ایسی پابندیاں لگا دی ہیں کہ انسان اعتدال کی حد سے بڑھنے نہ پائے تاکہ سرمایہ داری کی خوبیوں سے انسانی معیشت و معاشیات محفوظ رہیں۔ نہ صرف یہی بلکہ معاشی جدوجہد سے اخلاقی اقدار میں ترقی ہو۔

آزادیٔ پیشہ

اسلامی معاشیات کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ ہر شخص کو اس بات کی پوری آزادی عطا کرتی ہے کہ پیدائش دولت کے لئے جس صالح پیشے کو چاہے اختیار کرے خواہ وہ ادنیٰ پیشہ ہی کیوں نہ ہو۔ ایک صحابی مزدوری کا پیشہ کرتے تھے۔ پھاوڑا چلاتے چلاتے ان کے ہاتھ سیاہ پڑ گئے تھے۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے ہاتھوں کو دیکھ کر فرمایا کہ کیا تمہارے ہاتھ پر کچھ لکھا ہوا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ نہیں بلکہ میرے ہاتھوں کی سیاہی کی وجہ یہ ہے کہ میں سنگلاخ زمین پر پھاوڑا چلاتا ہوں اور اپنے اہل و عیال کے لئے روزی کماتا ہوں۔ آپ نے سنا تو ان کے ہاتھ چوم لئے "اسلام نے ذات پات کے فرق کو مٹایا اور پیشہ وروں کا رتبہ بڑا کر ہر ایک کو بلا تکلف پیشہ اختیار کرنے کی ترغیب دی اسلامی تاریخ کے سب سے درخشاں حصہ میں مسلمانوں کی آزادی ر آزادی پیشہ گری ہی خاص طور سے نمایاں نظر آتی ہے۔"

تقسیم دولت

اسلامی معاشیات کے پیش نظر یہ چیز رہی ہے کہ دولت کی ملک کے ہر طبقہ میں تقسیم عمل میں آئی اور وہ ایک جا اکھٹی نہ ہو بلکہ گردش کرتی رہے تقسیم دولت کے سلسلے میں قرآنی تعلیم کا نچوڑ یہ ہے کہ:-

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم

تاکہ دولت صرف تمہارے مالداروں میں ہی گردش کرتی نہ رہے۔
معیار سے زائد دولت پر زکات کا لازمی محصول عائد کیا گیا ہے۔ کسی شخص کی وفات پر اسلامی قانون وراثت کے تحت صرف بڑا بیٹا ہی باپ کی تمام دولت کا مالک نہیں بن جاتا بلکہ سب لڑکوں کو مساوی دولت تقسیم ہوتی ہے۔ عورتوں

کو حق وراثت عطا کیا گیا۔ اسی طرح حکومت کی آمدنی اور بجٹ میں غریبوں اور محتاجوں کے لئے لازمی طور پر حصّہ مقرر کیا گیا اور حکومت کی جانب سے ہر شخص کا سماجی تحفظ کیا گیا تھا۔ جس کی کچھ تفصیل آئندہ عرض کی جائے گی۔

مسئلہ اراضی

عہد فاروقی میں عراق کی سرزمین وشاداب زمین اور دریائے نیل کے کنارے مصر کا علاقہ فتح ہوا تو حضرت عمرؓ نے آئندہ نسلوں کا خیال رکھتے ہوئے اراضی کو تقسیم نہ کیا اور زمینداری نظام کو رائج ہونے نہ دیا اور زمین کو قوم کی مشترکہ ملک قرار دی۔

اسلامی نظام معیشت نے زمین سے دلچسپی پیدا کرانے اور زمین سے سونا اگلوانے کے لئے کاشتکاروں کو بھی مالکانہ حقوق عطا کئے تھے اور خود کار کاشت کار PEAASXNT PROPIETOR SHIP. کا طریقہ رائج کیا تھا۔ کیونکہ ملکیت کا جادو ریت کے ذروں کو بھی سونا بنا دیتا اور جہاں گھاس کی ایک پتی اگتی ہے وہاں دو پتیاں اگنے لگتی ہیں۔

حکومت کی جانب سے اراضی کی خریدی

حضرت عمرؓ نے عراق شام ورک وادی القرہ وغیرہ میں جہاں قدیم زمانہ سے زمینداری نظام رائج تھا اس کو ختم کرنے کے لئے زمینداروں کی اراضی کی قیمت کی باقاعدہ جانچ کرائی۔ اور ایک گراں قدر رقم حکومت کے خزانہ سے ادا کردی۔

حکومت کی جانب سے اراضی کی خریدی کے گویا یہ قدیم نظریں ہیں بایں ہمہ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا LAND NATIONALIZAT کے سلسلہ میں ناواقفیت کی بناء پر بیان کیا ہے کہ حکومت کی جانب سے اراضی کے خرید لینے کے طریقہ کو ایک جرمن گوسن نے پیش کیا اور بعد ازیں ایک فرانسیسی پروفیسر لیان والرس نے اس کو از سر نو دریافت کیا آج (انڈیا) یونین میں بھی زمینداری نظام کو ختم کرنے کے لئے یہی طریقہ اختیار کیا جا رہا ہے۔

نومبر ۱۹۴۸ء میں انڈیا یونین کے پردھان منتری پنڈت جواہر لال نہرو و مسٹر چرچل وزیر اعظم برطانیہ میں حسب ذیل گفتگو ہوئی تھی۔

چرچل: تم اپنے اراضی کے مسئلہ کے متعلق کیا کر رہے ہو؟

نہرو: ہم زمینداری نظام کو ختم کر رہے ہیں۔ ہم زمینداریت کو ختم کرنے کے لئے معاوضہ ادا کر رہے ہیں۔

چرچل۔ میرا ہمیشہ سے یہ خیال تھا کہ ہندوستان میں مروجہ ملوکیت اراضی کے طریقہ میں نقص ہے۔ میں بھی کچھ اس قسم کے اقدام کرنا چاہتا تھا۔

STATESMAN

DATED 13 NOV. 1948.

منافع میں مزدوروں اور سرمایہ داروں کا حصہ

اسلامی معاشیات کاروباری شخصی جدوجہد اور خانگی جائداد رکھنے کی اجازت دیتی ہے۔

اشتمالی معاشیات نے ان اداروں کے خلاف ہیں اس وجہ سے علم بغاوت بلند کیا ہے کہ اس سے نتیجے میں دولت چند افراد کے ہاتھ میں اکٹھی ہو جاتی ہے۔ لیکن دولت اکھٹی نہ ہونے کے لئے اسلامی معاشیات نے سرمایہ داروں پر کڑی پابندیاں عائد کی ہیں۔ اور یہ اصول قائم کیا ہے کہ اگر ایک طرف سرمایہ داری اپنے سرمایہ کی وجہ سے نفع کا حق دار ہوتا ہے تو مزدور کی محنت کو ویسے ہی اہمیت حاصل ہے۔

فان رب المال یستحق نصیبہ من الربح بمالہ۔ والمضارب بعملہ

سرمایہ دار اپنے سرمایہ کی وجہ سے اور محنت کرنے والا اپنی محنت کی وجہ سے نفع کا حق دار ہوتا ہے۔

یہاں قطع کلام کرکے یہ بیان کرنا بے محل نہ ہوگا کہ ابھی حال میں چینی کمیونسٹ علاقہ کی زندگی کا نقشہ اخباروں میں طبع ہوا تھا۔ کمیونسٹ مزدوروں کی انجمنوں اور مالکان صنعت کے درمیان ایک سمجھوتہ ہوا ہے۔ سمجھوتے کی بنیاد یہ ہے کہ:۔

"مزدور اور سرمایہ دار دونوں کو نفع حاصل ہو"

اس کا اثر یہ ہے کہ ہر کوئی مزدور خواہ وہ سرکاری فیکٹری میں ملازم ہو یا خانگی کارخانے میں کام کر رہا ہو۔ مسرت کے ساتھ یہ بیان کرے گا کہ اب اس کی حالت کسی قدر زیادہ بہتر ہے۔ یہ کہ پیداواری اضافہ کے لئے شخصی طور پر وہ کیا کوشش کر رہا ہے۔

کئی سرمایہ داروں کا بیان ہے کہ حالات اب سابق کے مقابلہ میں زیادہ بہتر ہیں اور یہ کہ وہ صنعتوں میں جس قدر سرمایہ لگا سکتے ہیں لگا رہے ہیں مزدوروں کی آسودہ حالی کے لئے سر ولیم بیورج نے جو انقلابی تجویزیں پیش کی تھیں اس کے اچھے اصول آج سے ۱۳½ سو سال پہلے اسلامی نظام معیشت میں عملی طور پر رائج تھے۔ حضرت عمرؓ نے باقاعدہ تجربے کئے تھے کہ ہر شخص کے لئے ماہانہ کس قدر غذا درکار ہوتی ہے۔ پھر اسی حساب سے روزینے مقرر کئے تھے۔ حتیٰ کہ چھوٹے بچوں کا بھی اسلامی مملکت کی جانب سے سماجی بیمہ کیا گیا تھا۔ غرض اسلام کے معاشی نظام نے محنت اور سرمایہ کے بظاہر نہ کھلنے والی گتھی کو اچھی طرح سلجھا دیا تھا۔ ؎

حکم حق ہے لیس الانسان الا ما سعی
کھائے کیوں مزدور کی محنت کا پھل سرمایہ دار

مسئلہ سود سود کو اسلام ہی برا نہیں کہتا بلکہ یونان کا ارسطو۔ روما کے مقنن ہندو اور یہودی مصلح بھی۔ اور سب سے عجیب یہ کہ جدید ترین رجحانات کیمبرج اور امریکہ وغیرہ کے پروفیسران میں سود کی حرمت ہی کی طرف مائل ہیں۔ لارڈ کینز آنجہانی کو تو یہ دعویٰ تھا کہ دنیا کی تمام معاشی برائیاں حتیٰ کہ بے روزگاری بھی سود خواری کے باعث ہے۔ اور جس قوم میں سود کی شرح جتنی

کم ہو گی اس کی تہذیب و تمدن اتنے ہی بلند اور مستحکم سمجھے جائیں گے۔ لارڈ کینز اسلامی مسلک کے بہت ہی قریب تر پہنچ گئے تھے ان کا بیان تھا کہ ایک اچھے کھاتے پیتے معاشرہ میں شرح سود کو صفر تک گھٹایا جا سکتا ہے۔ انہوں نے صفر شرح سود ZERO RATE کے نظریئے کو اپنی کتاب "دی جنرل تھیوری آف امپلائمنٹ انٹرسٹ اینڈ منی" میں بڑے اچھے طریقہ پر بیان کیا۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلامی مملکت نے اگر ایک طرف اپنی قلمرو میں سودی لین دین کو ممنوع قرار دیا تو دوسری طرف بیت المال یعنی سرکاری خزانہ اسٹیٹ بنک سے قرضے کا انتظام کیا تھا اور پیدا آور اور غیر پیدا آور PRODUCTIVE اور NON PRODUCTIVE ہر دو اغراض کے لئے قرض دیا جاتا تھا حتیٰ کہ عورتیں بھی سرکاری خزانے سے قرض لے کر بڑے پیمانے پر کاروبار کرتی تھیں۔ تاریخ اسلامی سے پتہ چلتا ہے کہ کاشتکاروں کو بھی زرعی اغراض کے لئے روپے تقاوی پر دیا جاتا تھا۔ کاروبار کی مالی شرکت میں اگر معاوضہ کی شرح پہلے سے معین نہ کی جائے بلکہ حسب حال کمی و بیشی کے ساتھ نفع نقصان میں شرکت رہے تو سود کی صورت باقی نہیں رہتی جو کچھ ملتا ہے منافع ہوتا ہے اور منافع ہر طرح جائز ہے بلکہ بلا کسی لحاظ مذہب عملی تجربہ سے بھی دنیا سود کی مضرت اور منافع کی منفعت کی

قائم ہو رہی ہے۔

مسئلہ زکوٰۃ اسلامی معاشرہ میں زکوٰۃ کو آمدنیوں کی عدم مساوات کم کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ یہ اسلامی ٹیکس آمدنی یعنی انکم پر وصول نہیں کیا جاتا بلکہ سرمایہ پر وصول کیا جاتا ہے۔ اور خوبی یہ ان محصولوں سے بڑھ جاتا ہے جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس بعد انسانیت نے اپنی ترقی یافتہ ضرورتوں کے مدنظر قائم کئے ہیں۔ دنیا میں سب سے پہلے کیپٹل لیوی CAPITAL LEVY یعنی سرمایہ پر محصول لگانا جسے یورپ اور امریکہ میں اب تک باقاعدہ طور پر رائج نہیں کیا جا سکا یہ اسلامی محاصل کا طغرائے امتیاز ہے جس کے بغیر انسانیت اجتماعی طور پر ترقی نہیں کر سکتی۔ اب ایک مغربی مصنف مسٹر جافری مارک نے اپنی کتاب "موجودہ بت پرستی" میں تمام امانتوں پر محصول عائد کرنے کی ایک اسکیم پیش کی ہے۔ شاید اسے معلوم نہیں کہ آج سے ساڑھے تیرہ سو سال پہلے اسلام نے سود کی ممانعت کے ساتھ فاضل رقموں پر زکوٰۃ کی شکل میں ڈھائی ۲½ فیصد کا محصول عائد کیا تھا۔ پیغمبر اسلام کے جانشین حضرت صدیق اکبرؓ نے مانع زکات دولت مندوں کے خلاف جو جنگ کی تھی اس کی اہمیت ابھی تک مورخین نے نہیں سمجھی ہے ورنہ تاریخ معاشرہ انسانی میں وہ ایک نقطہ

انقلاب ہے۔

اوپر میں نے اشارہ کیا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اسلامی مملکت کے تمام بسنے والوں کا سماجی تحفظ کیا تھا۔ بنو امیہ کے عمر بن عبدالعزیز اور ولید بن عبدالملک نے معذوروں کے وظائف کے علاوہ اندھوں کو رہنمائی اور اپاہجوں کی خدمت کے لئے آدمی مقرر کئے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز اپنے زمانہ میں بیت المال یعنی سرکاری خزانہ سے شادیوں کے لئے بھی امداد دیتے تھے۔ موجودہ زمانہ کی حکومتیں ادنیٰ عہدیداروں کو الاؤنس کرایہ مکان۔ الاؤنس گرانی۔ تعمیر مکان اور موٹر کی خریدی کے لئے قرضہ عطا کرتی ہیں۔ اسی طرح استانیوں اور مزدور عورتوں کے لئے الاؤنس زچگی پوری تنخواہ کے ساتھ نیز رخصت بھی بعض جگہ ملتی ہے۔ اگر کوئی عوامی حکومت اس اسلامی پیش رفت اور ترقی پسند رجحانات کے تحت ان الاؤنسوں اور بونسوں میں "عطیہ سرکاری برائے شادی" کے ایک جدید مد کا اپنے خرچ کے موازنہ میں اضافہ کرے تو وہ یقیناً آج کل کے زمانہ میں بڑی روشن خیال اور ترقی پسند مملکت 'WELFARE STATE' تصور کی جائے گی۔ یہاں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلامی مملکت نے غیر مسلموں کو بھی نظر انداز نہیں کیا تھا۔ بلکہ ان کا بھی سماجی تحفظ کیا گیا اور بیدریغ ان کی بھی امداد کی جاتی تھی۔ المختصر اسلامی نظم

معیشت واقعی نوع انسان کے لئے ایک برکت ہے۔ اسلامی اصول معاشیات بذات خود ایک مکمل اور مستقل نظام ہے جو نہ تو سرمایہ داری ہے اور نہ اشتراکیت بلکہ اس میں ان دونوں کی خوبیاں جمع ہو گئی ہیں اور ساتھ میں دونوں کی برائیوں سے اس نظام کو محفوظ رکھنے کا انتظام کر دیا گیا ہے۔

آپ تمام حضرات نے آج یہاں آکر جو دلچسپی لی ہے میں اس کا تہ دل سے شکریہ ادا کرتا ہوں۔ اور آپ کے صدر بزم اتحاد . . . . . . اور نیز چودہری منور حسین خاں صاحب معتمد بزم اور دیگر ارکان عاملہ کا پھر ایک مرتبہ شکریہ ادا کرتا ہوں۔

محمد یوسف الدین ایم اے۔ پی ایچ۔ ڈی
ریڈر شعبہ مذہب و ثقافت (اسلامک سکشن)
عثمانیہ یونیورسٹی۔ حیدرآباد دکن

[illegible]

PRESIDENT,
Muslim University Students's Union,
ALIGARH.

مطبوعہ نیشنل پرنٹرس کمپنی علی گڑھ

Date	No.	Date	No.